دجّال

مصنف

احمد تھامسن

ترجمہ و تلخیص

ڈاکٹر نصر شاھد

Positive Thinkers Club

www.positivethinkersclub.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم خواتین وحضرات! آج سے کچھ عرصہ قبل چند دردِ دل رکھنے والے حضرات نے مل کر Positive Thinkers Club بنایا تھا۔ آج ہم آپ کو اس کلب میں شرکت کی دعوت اس لیے دے رہے ہیں کہ آپ میں مثبت اور متبادل سوچنے کی صلاحیت موجود ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔! آپ موجودہ اقتصادی ماڈل کی چمک دمک کے پیچھے انسانی استحصال کو پہچان سکتے ہیں۔ آپ میں سود اور خواہشِ نفس کی بنیاد پر قائم اس نظام کے فراڈ کو پہچان کر اس کے سامنے کھڑا ہونے کی صلاحیت ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ خودغرضی اور اغراض کے دائرے میں مقید نہیں۔ آپ اپنی ذات، بیوی بچوں اور خاندان سے آگے بھی نہ صرف سوچ سکتے ہیں بلکہ عملاً دوسروں کی بھلائی کے لیے ایک ٹھوس تبدیلی کے خواہشمند ہیں۔ یہ صلاحیتیں آپ کے اندر آپ ہی کے کسی عزیز، دوست یا رشتہ دار نے دیکھی ہیں۔

آپ سوچ رہے ہونگے کہ اس کلب میں آنے سے اس طرح کی تبدیلی کیسے ہوگی؟ کرپشن، فراڈ اور سیاست کے اس سیلاب میں ایک فرد کر بھی کیا سکتا ہے؟ خواتین و حضرات آپ میں سے ہر فرد وہ کچھ کرسکتا ہے، جس کا آپ کو بھی گمان نہیں! آپ کی مثال ایک ایٹم کی سی ہے جو مادے کا سب سے چھوٹا ذرہ ہے مگر اس میں بے تحاشہ توانائی ہوتی ہے۔ ایک خاص حالت میں جب اس کو رکھا جاتا ہے تو زنجیری / سلسلہ وار تعامل (Chain Reaction) سے وہ سب سے چھوٹا ذرہ ایٹم بم (Atom Bomb) بن جاتا ہے۔ Positive Thinkers Club وہی Chain Reaction ہے۔

☆ Positive Thinkers Club کیوں؟

ہم نے ملک کے اندر اور باہر اخلاص سے ہونے والے ہر اچھے کام کا جائزہ لیا ہے اور چند نتائج پر پہنچے ہیں:

نمبر۱۔ ہمارا وہ طبقہ جسے اللہ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے، اُس کی توانائیاں ذاتی زندگی اور خاندان کی نذر ہو جاتی ہیں؛ لیکن اجتماعی زندگی کے متعلق کچھ کرنے کی بات ہوتی ہے تو یہی طبقہ منفیت کا شکار ہو جاتا ہے اور بہانے بنانے لگتا ہے کہ صاحب کچھ نہیں ہوسکتا، میں یا چند لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ ذاتی زندگی یا خاندان جس میں یہ طبقہ لگا ہوا ہے وہ بھی کوئی خاص کامیاب نہیں ہو پاتی۔ اِس لیے کہ جب قوم ذلت کا شکار ہو تو انفرادی کامیابی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ منفی ہونے کا ایک منطقی نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ قوم کے مادی اور انسانی وسائل اور پوشیدہ صلاحیتوں پر نظر نہیں جاتی، بلکہ انسان جہالت، ظلم اور کرپشن پر فوکس کرتا ہے۔ اب نظر تو وہی شئے آئے گی جس پر فوکس ہوگا۔ منفی سوچ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس گندگی کو صاف کرنے کیلئے دوسروں کو میدان میں آنا چاہیے، میں کچھ نہ کروں!

نمبر۲۔ وہ طبقہ جو ناموں اور مختلف لیبلز کے ساتھ کچھ اچھا کر بھی رہا ہے تو عملاً اسی طرزِ زندگی (Lifestyle) کو اپنائے ہوئے ہے جو اسی معاشی نظام (Economic Model) کا نتیجہ ہے۔ وہ نظام جو فرد اور معاشرے کیلئے ناانصافی کا سبب ہے۔ یہ طبقہ ترقی اسی شئے کو سمجھتا ہے جسے مغرب ترقی کہتا ہے۔ وہ آج کے سب سے تیزی سے پھیلنے والے مذہب Consumer Producer System کا عملاً شکار ہے۔ اس مذہب کا بنیادی یقین یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد اور مطلب اشیاء (Products)

اور خدمات (Services) کا پیدا کرنا ہے اور پھر ان کو استعمال کرنا ہے۔ اسی طبقے کا وہ حصہ جو بظاہر اس نظام سے نالاں بھی ہے، چونکہ اس نظام کا کوئی متبادل موجود نہیں؛ آخر کار اسی نظام میں اپنی توانائیاں صرف کرنے پر مجبور ہے۔ اس Consumer Producer System نے ہماری زندگی کے ہر حصے کو Hijack (اغوا) کر لیا ہے: تعلیم، میڈیسن (طب)، صحافت، ادب، میڈیا اور سیاست سبھی اس کے ساتھ Couple (منسلک) ہو گئے ہیں۔

Positive Thinkers Club اس Hijacking (اغوا) سے نکلنے اور زندگی کے شعبوں کو اِس مذہب سے Uncouple (غیر منسلک) کرنے کا نام ہے۔

کیسے؟؟؟

موجودہ اقتصادی نظام کا End Product (حاصل وصول) Current Lifestyle (موجودہ طرزِ زندگی) ہے۔ آیئے ہم اس طرزِ زندگی کے مختلف اجزاء کا مطالعہ کریں: بنیادی طور پر ہم اس کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا حصہ جو براہِ راست ہمارے مذہب و اخلاقیات کے خلاف ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جس پر ہمارے علماء اور دیندار لوگ اعتراض کرتے رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں محض ان نقصانات کی بنیاد پر اس Lifestyle کی مخالفت کرنا غیر حقیقی اور Impractical ہوگا۔ ایک نقصان ان خامیوں پر فوکس کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ جو اصل Issues (مسائل) اور نقصانات ہیں ان سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

دوسرا حصہ اس Lifestyle کا وہ ہے جو بظاہر بے ضرر نظر آتا ہے لیکن اس کی خامیوں کو دیکھنے کیلئے غور کرنا پڑتا ہے اور چونکہ غور سے دیکھنا ایک محنت طلب کام ہے اس

لیے عوام کی اکثریت اسی کو قبول کر لیتی ہے۔

تیسرا حصہ اس Lifestyle کا باقاعدہ مفید نظر آتا ہے۔اس میں آرام (Comfort) ہے اور سہولت (Convenience) ہے۔اس حصے کے نقصانات جاننے کیلئے محض Common Sense (عام سوجھ بوجھ) کافی نہیں۔ اس کے لیے Technical Experties (فنی مہارت) چاہیے۔ جیسے میڈیکل سسٹم کے نقصانات کو دیکھنے کیلئے ڈاکٹر اور سائنسدانوں کی (Experties) استعداد درکار ہیں۔ اگرچہ کچھ مقامات پر کچھ فوائد بھی حاصل ہوجاتے ہیں مگر عمومی طور پر یہ Lifestyle انسان کو تباہی کی طرف لیکر جارہا ہے۔

احمد نے یہ کتاب جسکا ہم نے اردو میں ترجمہ کیا ہے اُسی (۸۰) کی دہائی میں تحریر تھی اور پھر اسکا دوسرا ایڈیشن غالباً کچھ سال پہلے آیا اور مجھے اس کتاب کو ۲۰۰۱ء میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب کو پڑھتے ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ آجکل کے حالات پر بہترین تجزیہ ہے۔ ہم Positive Thinkers Club کے فورم سے جو بات لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ اس وقت Current Economic Model (موجودہ اقتصادی نظام) میں Basic Defect (بنیادی خامی) ہے اور اس لیے اس میں محنت کرنا اور اس میں اپنے آپ کو لگانا اتنا درست نہیں ہے اور اس کا ہمیں فائدہ نہیں ہورہا۔ یہ بات کسی اور پیرائے میں **احمد تھامسن** نے اس کتاب میں ذکر کی ہے۔

جو ہمارے نئے اراکین ہیں انکے پیشِ نظر پوری پکچر یا بڑا منظر نامہ نہیں ہوتا اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا اور ضروری سمجھا گیا، خاص طور پر وہ شخص جو پاکستان سے باہر ہے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرے۔ لیکن کتب پڑھنا اتنا آسان نہیں رہا، کیونکہ ہر آدمی پہلے سے

مصروف ہے اور خاص طور پر اس خشک موضوع پر کتاب کو پڑھنا بڑا مشکل ہے۔ تو یہ سوچتے ہوئے میں نے اس کا اردو میں ترجمہ تلاش کرنا شروع کیا اور جب مارکیٹ میں مجھے نہیں ملا تو میں نے خود سے بیٹھ کر اسکا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں ہے۔ اس لیے کہ موضوع کے اعتبار سے اسکا لفظی ترجمہ کرنا بڑا مشکل تھا۔ اس لیے میں نے آسان الفاظ میں اسکے معانی کو تلخیص کر کے لکھ دیا ہے۔

ترجمہ کرنے کے بعد ایک خیال یہ آیا کہ شاید اردو کا ترجمہ بھی پڑھنے میں لوگوں کو مشکل ہو، تو اس پر ایک تجویز یہ آئی کہ اسکو آڈیو میں تبدیل کر دیا جائے۔ تو ہم نے اسکا آڈیو بھی تیار کیا ہے۔

سمجھنا نے بڑی تحقیق سے مختلف Sub Systems (ذیلی نظاموں) کا ذکر کیا ہے جو سب ملکر ایک بڑے نظام کو مربوط کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اسکے کچھ حصوں سے آپ کو اختلاف بھی ہو لیکن Over All (یعنی طور پر) یہ باتیں قابلِ غور ہیں اور وہ شخص جو ایک متبادل نظام کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے اس کیلئے فائدہ مند ہیں۔ ویسے بھی اگر موجودہ نظام کا Over All Effect باطل ہے تو اسکے کچھ جزئیات کا اچھا ہونا کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک گزارش یہ ہے کہ صرف آڈیو کو ہی نہ سنیے بلکہ اسکا ترجمہ بھی پڑھیے، کیونکہ پڑھنا بعض اوقات زیادہ Stimulating (متاثر کن) اور Thought Provoking (فکر انگیز) ہوتا ہے۔ پھر جہاں جہاں آپ کو کوئی اختلافی بات نظر آئے یا جس چیز کو آپ سمجھ نہ پائیں اسکو آپ سوال کی صورت میں لکھ لیں اور ماہانہ سیٹنگ میں اس پر بات کریں۔

اس کتاب کو سمجھنے کیلئے اس کی چند اصطلاحات کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

ایک اصطلاح جو اس میں بار بار آپ پڑھیں گے وہ ہے : System / Process Produce Consumer (CPS) یعنی صارف و آجر/ صانع نظام۔ اور پھر آپ کے ذہن میں خیال آئے گا کہ کیا اشیا و خدمات کو استعمال (Consume) کرنا یا تخلیق (Produce) کرنا منع کیا گیا ہے۔ لیکن بات اصل یہ نہیں ہے کہ کنزیوم کرنا اور پروڈیوس کرنا منع ہے یا نہیں۔ اصل بات اُس نظام کی ہے جس کے ذریعے سے لوگوں کو اس طرح کنٹرول کیا جا رہا ہے اور لوگوں کو ذہنی طور پر غلام بنایا جا رہا ہے، وہ قابلِ اعتراض بات ہے۔ پھر اس نظام پر اجارہ داری قائم ہے اور اکثر اقوام اور افراد کی دسترس سے یہ باہر ہوتا ہے۔ اور یہ کنٹرول اسطرح قائم ہو گیا ہے کہ زندگی کا مطلب سوائے کنزیوم کرنے اور پروڈیوس کرنے کے کچھ باقی نہیں رہا۔ پھر تعلیمی نظام، میڈیا کے پروپیگنڈا اور حکومتی پالیسیوں کے نتیجے میں انسان کے پاس کچھ زیادہ Options (راہیں) بھی باقی نہیں بچتیں۔ اور پھر جب اس پروسس میں آدمی لگ جاتا ہے تو اس کے پاس وقت نہیں بچتا کہ وہ اپنی حالت پر غور کرے۔ تو اصل میں موجودہ کنزیومر پروڈیوسر سسٹم جو ہے وہ پورا ایک دِین بن گیا ہے، تو اس لیے اسے اس طرح لینا چاہیے اور اِس کتاب میں اس کا بار بار ذکر آئیگا۔

دوسری اصطلاح کنڈیشننگ اور پروگرامنگ (Conditioning & Programming) کی ہے۔ یہ کنڈیشننگ اور پروگرامنگ (ذہن سازی) میڈیا اور تعلیم کے ذریعے سے ہمارے ذہنوں پر اس طرح رائج ہوتی ہے کہ ہمارے فطری جواہر کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور اس طرح ہماری جو سوچ ہے وہ کنٹرول ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

ایک اور اصطلاح ہے Unseen Forces (اَن دیکھی قوتوں) کی۔ یہ اَن دیکھی قوتیں کارپوریشنز بھی ہو سکتی ہیں اور فری میسن بھی!

یہ کتاب آپ کی سوچ کو پیشہ (Profession)،قومیت پرستی (Nationalism) اور دوسری محدود چیزوں سے نکال کر آپ کو دنیا کی ایک آفاقی تصویر (Picture) دکھاتی ہے۔ کیونکہ جزئیات میں بعض اوقات ایسی اچھائیاں انسان کو نظر آنے لگتی ہیں کہ وہ ان سے مرعوب ہو جاتا ہے اور اپنے پیشے یا قومیت کے بُت کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔ لیکن جب ایک بڑی تصویر کے پس منظر میں اِن جزئیات کو دیکھتا ہے تو معاملہ اور نتیجہ مختلف ہوتا ہے۔

جب ایک اچھی چیز آخر میں ایک ظلم کو ترقی دیتی ہوئی نظر آئے تو وہ اچھائی بھی قابلِ مذمت بن جاتی ہے۔ تعلیم، میڈیا اور ہسپتال یہ سب اپنی اپنی جزئیات میں بہت اچھے پہلو بھی رکھتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شخص بڑی پکچر دیکھتا ہے تو یہ تمام سَب سسٹم ایک دوسرے کا ساتھ دیتے اور ایک خاص مقصد کو پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور وہ مقصد ہے صارف و آجر نظام کا آگے بڑھتے رہنا۔

ایک اور سوال اِس کتاب کو پڑھنے کے دوران آپ کے ذہن میں آتا رہے گا کہ اس کا متبادل کیا ہے؟

سمجھنا نے انبیاؑ کی تعلیمات کو اسکا متبادل قرار دیا ہے۔ البتہ وہ اس متبادل کی جزئیات میں نہیں جا سکا۔

ایک درجے سے دوسرے درجے (A point to B point) تک کس طرح پہنچنا ہے اس کا جواب ہم نے Positve Thinkers Club کے طریقہ کار میں دیا ہے۔ گویا یہ کتاب اور ہمارا Positve Thinkers Club ایک دوسرے کو Complement (مکمل) کرتے ہیں۔

ہم یہ تجویز کرتے ہیں کہ نظام کے اندر رہتے ہوئے، اُس کو سمجھتے ہوئے اور اُس کے اندر ترقی کرتے ہوئے مرتب طریقے سے منظّم (Oraganize) ہوکر شعوری سطح (Concious Level) پر اس پروسس اور نظام کو چھوڑ کر اس کا متبادل اپنایا جائے۔ اور **وہ چیزیں جو ہمارے کنٹرول میں ہیں اُن پر محنت کرنا شروع کردیں تو پھر جو چیزیں ہمارے کنٹرول سے باہر ہونگی اُن کیلئے راستے بنتے چلے جائیں گے۔**

اِسکا اصل طریقہ یہ ہے کہ بزنس کو اچھے کاموں سے غیر منسلک (Uncouple) کر کے اُس کو دیانتداری (Honesty)، ٹیکنالوجی اور مہارت (Efficiency) سے منسلک کردیا جائے۔ اور اِن سب چیزوں کیلئے ایک سادہ طرزِ زندگی (Simple Lifestyle) کو اپنایا جائے۔ یہ Simple Lifestyle ایک طرف بہت سارے پیچیدہ مسائل کا جواب ہے اور دوسری طرف وہ ذہین لوگوں کو تخلیقی کاموں کی طرف رجحان مہیا کرتا ہے۔

اِس کے ترجمے میں جہاں کہیں قرآن وحدیث کا حوالہ پیش کیا گیا ہے اُس کے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اِسلئے غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو کسی بھی حدیث یا قرآن کی آیت کا ترجمہ ذرا مختلف نظر آئے تو وہ ہم سے ضرور رابطہ قائم کرے تاکہ اس کی درستی ہوسکے!

نصر شاہد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور جب جادوگر آئے تو حضرت موسیٰؑ نے ان سے کہا: جو کچھ تم دکھانا چاہتے ہو اب دکھاؤ اور جب انہوں نے اپنا جادو دکھایا تو موسیٰؑ نے کہا " یہ جادو ہے اور اللہ اسے تباہ کرے۔ اللہ غلط کام کرنے والوں کی حفاظت نہیں کرتا، اللہ اپنے الفاظ سے حق کی تصدیق کرے گا چاہے وہ مجرموں کو کتنا ہی برا لگے۔ سورۃ یونس ۸۲-۸۱

اندھوں کے ملک میں ایک آنکھ والا راجہ ہوتا ہے۔

دجال کے تین رخ ہیں: ایک تو نام ہے فردکا، دوسرا دجال دنیا بھر میں چار سو پھیلنے والا معاشرتی اور ثقافتی عمل (Social and Cultural Phenomenon) ہے۔ دجال کا تیسرا رخ اَن دیکھی قوتیں ہیں۔

دجال کا عربی میں مطلب دھوکہ دینا ہے یہ لفظ قرآن میں تو نہیں ملتا لیکن احادیث کی ساری بڑی کتب میں اسکا ذکر ہے۔ خاص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا ذکر ملتا ہے جہاں دنیا کے ختم ہونے اور قیامت کے پہلے کے واقعات کا ذکر آیا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: میں تمہیں دجال کے خلاف تنبیہ کرتا ہوں اور تمام انبیاؑ نے اس کے خلاف اپنی امتوں کو خبردار کیا ہے حتیٰ کہ نوحؑ نے اپنی قوم کو خبردار کیا۔ لیکن میں تمہیں ایک ایسی بات بتاؤں گا جو دوسروں نے نہیں بتائی اور وہ یہ کہ دجال ایک آنکھ والا ہے اور اللہ ایک آنکھ والا نہیں۔ (مسلم شریف)

ابودرداءؓ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا جو کوئی سورۃ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کرے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ کیا جائے گا (ابوداؤد، مسلم)۔ عبداللہ ابن عباسؓ

سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہمیں یہ دعا ویسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورۃ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَسِيۡحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَحۡيَا وَ الۡمَمَاتِ ۃ

(ترجمہ) اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں میں زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں (مالک)

المسیح الدجال کا لغوی مطلب جھوٹا مسیح ہے دوسرے الفاظ میں انٹی کرائسٹ یعنی ابن مریم کا الٹ۔ عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں کعبہ میں ہوں۔ میں نے ایک سیاہ فام شخص کو دیکھا ایسا خوبصورت سیاہ فام آدمی تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ اس کے بال اسکے کانوں اور کندھوں تک پہنچتے تھے۔ اتنے خوبصورت بال تم نے کبھی نہیں دیکھے ہونگے۔ بالوں میں آراستگی تھی اور پانی کے قطرے ان سے ٹپک رہے تھے۔ وہ دو آدمیوں کے ہمراہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں مجھے بتایا گیا یہ مسیح ابن مریم ہیں۔ پھر میں نے ایک برہم بالوں اور ایک آنکھ والے شخص کو دیکھا۔ اس کی آنکھ انگور کی طرح ہل رہی تھی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے مجھے بتایا گیا یہ مسیح الدجال ہے۔

" اب اور دنیا کے خاتمے کے درمیان دجال ظاہر ہوگا۔ نبی ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ سہ پہر کا وقت تھا اور سورج ایک دیوار کے پیچھے غروب ہونے کو تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس سہ پہر اور دنیا کے ختم ہونے میں اتنا تھوڑا وقت ہے جتنا کہ

اس وقت سورج اور دیوار کے درمیان فاصلہ میں ہے۔اور یہ بات چودہ سوسال پہلے کی ہے۔

اللہ سبحانہ نے بھی قرآن میں تصدیق کی ہے کہ جس سے قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ بھی اس کے بارے میں اتنا جانتا ہے، جتنا کہ پوچھنے والا۔اللہ سبحانہ نے مزید ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو قیامت کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے۔کسی کو اس گھڑی اور واقعہ کا علم نہیں کہ کب ہوگا۔لیکن قرآن میں بتایا گیا ہے کہ تمہاری سوچ سے زیادہ قریب ہے جہاں تک ہمارا تعلق ہے دنیا ہمارے لئے اسی وقت ختم ہو جاتی ہے جب ہم موت کو گلے لگاتے ہیں۔

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔پھر فرمایا کہ قیامت کا صحیح وقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔وہی ہے جو بارش بھیجتا ہے وہی ہے جو جانتا ہے کہ ماں کے رحم (پیٹ) میں کیا ہے کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا اور کسی کو علم نہیں کہ کس زمین پر اس کی موت ہوگی۔واقعی اللہ ہی سب کچھ جاننے والا ہے۔ (مسلم شریف) سورۃ لقمٰن ۳۴

دنیا کے خاتمے کی بہت سی علامات احادیث مکے ۔۔۔ؤں میں بیان کی گئی ہیں اور جس کسی کی بھی شعور باطن کی آنکھ کھلی ہے وہ خود اور اردگرد باہر کے ماحول میں یہ علامات دیکھ سکتا ہے۔

تقریباً ساری علامات واضح ہو چکی ہیں سوائے چار بڑے واقعات کے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ چار واقعات بھی عنقریب ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔جو علامات پہلے سے ہی نمودار ہو چکی ہیں ان میں یہ شامل ہیں۔غریب اور کمزور لوگ بلند عمارات بنائیں گے جن پر

لوگ فخر کریں گے۔ غلام عورت اپنے آقا کو جنم دے گی۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک عورت جو اپنے پیشے (Profession) شعبہ ہائے زندگی میں اسقدر مگن ہے اور اس کے بچے اس کے کنٹرول میں نہیں رہتے اور بعد میں باغی ہو جاتے ہیں۔ ایک نشانی یہ ہے کے عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جائے گی۔ بہت سی عورتوں کے بچے نہیں ہوں گے۔

آج کل ہر کوئی اپنے کام سے اتنا لگاؤ رکھتا ہے کہ مرد، عورتیں سب اسی میں مگن ہوتے ہیں۔ اس سے خاندان کا باہمی تعلق کمزور ہو گیا ہے یا تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں زیادہ ہو گئی ہیں لیکن ان میں برکت نہیں۔ وقت بہت کم پڑ گیا ہے۔ بہت سے لوگ سخت دل اور بے مروت ہو گئے ہیں۔ بہت سے لوگ جھوٹی گواہی دینے لگے ہیں۔ سچے لوگوں پر یقین نہیں کیا جاتا لیکن جھوٹوں پر یقین کر لیا جاتا ہے۔

مضبوط کمزور کو دبا جاتا ہے زیادہ تر لوگ جاہل ہیں اور بہت کم عقلمند لوگ رہ گئے ہیں۔ لوگوں کا رہنما ان میں سب سے بُرا شخص ہے۔ لوگ ظالم اور غاصب کو اس کے ڈر کی وجہ سے یہ نہیں بتاتے کہ وہ ظالم ہے۔ لوگوں میں بہت زیادہ جنگ اور فساد ہے۔ مارنے والوں کو پتہ نہیں کہ کس کو مار رہے ہیں اور مرنے والوں کو پتہ نہیں کہ ان کو کس لئے مارا جا رہا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جانوروں کی طرح ہیں۔ عورتیں ایسے کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کا جسم ننگا نظر آتا ہے۔ بہت زیادہ لوگ شراب پیتے ہیں۔ زنا اور دھوکہ دہی بھی عام ہے۔ مرد مردوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ سوتی ہیں۔ گانے والی عورتیں اور موسیقی کے آلات عام ہیں۔ سود اتنا عام ہے کہ جو سود نہیں بھی لیتا، اس کے سپیکر اثرات سے بچنے ظ نہیں۔ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو بزنس میں قابل اعتماد ہیں۔ لوگ ان پر بہت کم اعتماد کرتے ہیں جو دیانتدار ہیں لیکن ان پر اعتماد کر لیتے ہیں جو بد یانت ہیں۔ لکھنا بہت عام

ہے۔صحراؤں کوسبز کرنے کی کوشش جاری ہے ایسے لوگ ہیں جوفطرت کے توازن کوتبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ زندگی کے بنیادی انداز اور ترتیب میں مداخلت ہو رہی ہے۔زلزلے اور دوسری آفات کی تعداد اوران کی شدت بڑھ رہی ہے لوگ خواہش کر رہے ہیں کہ وہ اس دنیا سے نکل جائیں اور قبروں میں چلے جائیں۔لوگ ستاروں کے علم پر زیادہ اور خدا پر کم یقین رکھتے ہیں۔

بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہو گئے ہیں ان میں سے ہر ایک نبی کا دعویٰ کر رہا ہے عبادات کی جگہ غصہ اور فساد ہو رہا ہے۔ بہت سے مسلم ممالک بہت امیر ہو گئے ہیں۔ یتیموں کی تعداد بہت ہے لیکن وہ کمزور ہیں کیونکہ انہیں دنیا سے محبت اور موت سے خوف آتا ہے اور وہ بے بس ہیں دوسروں کے سامنے، جوان کے وسائل پر قبضہ کر رہے ہیں اور لوٹ رہے ہیں۔سورج مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ مغرب کے لوگ اسلام کے اصولوں کو اپنا رہے ہیں۔ اگرچہ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کا واقعہ ہوگا کہ سورج سچ مچ مغرب سے طلوع ہوگا۔عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ

قیامت کی پہلی علامت مغرب سے سورج کا طلوع ہونا ہے اور دوپہر کے وقت وحشی درندہ کا ظاہر ہونا ہے ان میں سے جو بھی واقعہ پہلے ہوگا دوسرا اس کے فورا بعد ہوگا۔ (مسلم شریف)

ابن کثیر نے اس حدیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ درندہ کا ظاہر ہونا جو کہ مکہ میں یا اس کے قریب ہوگا پہلی زمینی علامت ہے اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا پہلی آسمانی علامت ہے۔ درندہ کے متعلق قرآن وحدیث کی تفسیر اور تلخیص کرتے ہوئے ابن کثیر نے

اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ میں لکھا ہے قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت زمین سے درندہ کا نکلنا ہے۔ وہ اپنے ظاہر میں بہت عجیب ہوگا اور بہت بڑا ہوگا۔ یہ خیال کرنا مشکل ہے کہ وہ کس شکل کا ہوگا۔ وہ اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا زمین سے نکلے گا۔ یہ اپنے ساتھ سلیمانؑ کی انگوٹھی اور موسیٰؑ کا عصا لئے ہوگا۔ لوگ خوفزدہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوں گے لیکن اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ اللہ کو یہی ؒ ؒ رہوگا۔ یہ اپنے عصا سے ہر کافر کا ناک اڑادے گا اوران کی پیشانیوں پر کافر لکھ دے گا یہ ہر مومن کے چہرے پر مومن لکھ دے گا اور لوگوں سے بات کرے گا۔

حدیث میں اور بھی علامات کا ذکر ہے ان میں ایک علامت دھواں ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف دھکیل دے گا۔ مدینہ منورہ کی تباہی، مکہ میں کعبہ کی تباہی جو ایک حبشہ کے رہنے والے کے ہاتھوں سے ہوگی اور پھر تین بڑی زمینی آفتیں، ایک مشرق میں، پھر مغرب میں اور ایک عرب میں۔ اس کے آخر میں ایک آگ اٹھے گی جو یمن سے شروع ہوگی اور لوگوں کو ان کے آخری ٹھکانے تک لے آئے گی۔

زیادہ تر ٔ ٔین/محدثین کے نزدیک یہ واقعات چار بڑی علامات کے بعد ہونگے اور وہ علامات ہیں:۔

دجال کا ظاہر ہونا: دجال بطور فرد ظاہر ہوگا۔

مہدی کا ظاہر ہونا: وہ مہدی جو دجال سے لڑیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ ظہور: وہ آکر تمام صلیبوں کو توڑ دیں گے تمام سوروں کو مار دیں گے ان کی شادی اور بچے ہوں گے .یٔ ٔ نوں کے ہمراہ نماز پڑھیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

یاجوج ماجوج :یہ لوگوں کا ایک قبیلہ ہے جو دنیا میں پھیل جائے گا اور تباہی پھیلائے گا۔

دجال کے تین رُخ:

ایک دجال فرد، دوسرا دجالی سوشل اور کلچرل رنگ جو دنیا بھر میں چھایا ہوا نظر آئے گا، تیسری دجالی ان دیکھی قوتیں ہوں گی۔ یہ بات واضح ہے کہ دجال کے فرد کی حیثیت سے نمودار ہونے سے قبل دنیا میں دجالی نظام موجود ہوگا اور اس دجالی نظام کو چلانے اور اس نظام کی حمایت کرنے والے لوگ موجود ہونگے۔ جب دجال آئے گا تو یہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ یہ دجالی نظام اب بہت واضح ہو رہا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ عنقریب دجال بھی ظاہر ہو جائے گا۔ احادیث میں دجال کا جو ذکر آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آنکھ والا ہوگا اور یہ آنکھ انگور کے دانے کی طرح پیشانی پر تیر رہی ہوگی۔

دجال کو پوری دنیا میں بیک وقت سنا جا سکے گا۔ دجال تمہیں آگ دکھائے گا لیکن یہ آگ تمہیں نہیں جلائے گی۔ دجال تمہیں پانی دکھائے گا لیکن تم اسے پی نہیں سکو گے۔ دجال جنت کی بات کرے گا اور لوگوں کو ایسے لگے گا جیسے وہ جہنم کی بات کر رہا ہے اور جہنم کی بات کرے گا تو ایسے لگے گا جیسے جنت کی بات کر رہا ہے۔ یہ نشانیاں آج کے میڈیا اور کمیونیکیشن ٹیکنالوجی یعنی ذرائع ابلاغ پر فٹ بیٹھتی ہیں۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ یہ میڈیا اور کمیونیکیشن زیادہ تر کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ دجال کے متعلق بتایا گیا ہے کہ بہت ساری آنکھیں اس کی سائیڈ پر ہوں گی۔ وہ پوری دنیا میں چند بڑے قدموں میں سفر کرگا۔ یہ بات آج کے ذرائع نقل وحمل پر صادق آتی ہے۔ دجال کے متعلق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کفر اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا اسرائیلی ایئر فورس کے کچھ جیٹ پر یہ الفاظ پینٹ کئے گئے

ہیں۔کفر عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی شے کو ڈھانپنا اور رد کرنا۔کافر وہ شخص ہے جو حق کو ڈھانپ دیتا ہے یعنی کہ اصل حق کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کو ڈھانپ دیتا ہے اور اللہ کے ؑ ؑ کے ارشادات کو رد کر دیتا ہے۔ وہ ؑ ؑ جو لوگوں کو فطرت کے مطابق حق اور صراط مستقیم پر زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ وہ ؑ ؑ جو لوگوں کو ان کے باطن اور ظاہر کا حقیقی علم دیتا ہے اور اللہ سے انہیں متعارف کرواتا ہے۔

نبی ﷺ نے علم کی بہت فضیلت بتائی اور علم حاصل کرنے کا حکم دیا اگر علم سے ہمیں تقویٰ اور اللہ کا خوف نہیں ملتا تو ایسے علوم دھوکہ بازی ہیں۔ اللہ سے ڈرنے پر اللہ کی معرفت کا علم عطا ہوتا ہے کافر اس بات کو رد کرتا ہے اس لئے کافر، مومن کی عین ضد ہے۔

مومن وہ مسلم ہے جو زندگی کی صحیح حقیقت کو کھلے عام مانتا ہے اور نبی ﷺ کی تعلیمات اور زندگی کی مثال کو قبول کرنے کے بعد اپنی زندگی پر لاگو کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ جو اللہ کی طرف سے انسانوں کو حق کی راہ دکھانے والے آخری ؑ ؑ ہیں اور اب قیامت تک کوئی اور نبی یا ؑ ؑ نہیں آئے گا۔

اب تک یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ کافرانہ نظام اور کافر جو اس نظام پر یقین رکھتے ہیں اور اسی نظام کو کنٹرول کر رہے ہیں اصل میں دجالی سوشل اور کلچرل نظام کے مظاہر ہیں، ایسا دجالی نظام جس میں ان دیکھی طاقتیں کارفرما ہیں۔ اس نظام کا عروج اس وقت ہوگا جب دجال ایک فرد کی حیثیت سے ظاہر ہوگا اور کفار جو اس سسٹم کو چلا رہے ہوں گے، اسے اپنا لیڈر تسلیم کر لیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کفر ایک نظام واحد کی طرح ہے۔ یہی نظام دجالی نظام ہے اور اس کے تینوں رخ آپس میں مربوط ہیں۔

اسی طرح مہدی بھی اسلام کے عروج کا مظہر ہوں گے۔ اگر چہ وہ محمد ﷺ کی شخصیت کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے سمندر کے سامنے قطرہ۔تمام صحیح اور حقیقی مسلمان مہدی کو اپنا قائد تسلیم کرلیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان ایک جسدِ واحد کی طرح ہیں۔

کفر اور اسلام ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل جنگ کی حالت میں ہیں۔احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ دجال مہدی سے جنگ کرے گا اور مہدی دجال سے۔حضرت عیسیٰؑ، جن کو صلیب پرنہیں لٹکایا گیا تھا بلکہ ان کی جگہ کسی اور مشابہت رکھنے والے شخص کو لٹکا دیا گیا تھا، وہ دنیا میں لوٹ آئیں گے اور اہلِ حق سے مل کر دجال کو قتل کریں گے۔ دجال کے متعلق ماضی میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ دجال کے متعلق پیشن گوئیاں بائیبل میں بھی موجود ہیں اور جان (John) کی کتاب میں بھی اور نوسٹرو ڈیمس کی تحریروں میں بھی ملتی ہیں۔

لوگوں نے اپنے اپنے دور میں ہونے والے واقعات کی روشنی میں ان پیشین گوئیوں کا تجزیہ کیا ہے۔ دجال کو ان پیشین گوئیوں میں انٹی کرائسٹ کے لقب سے پکارا جاتا ہے اور اب تو کچھ ویڈیوز اور فلموں میں بھی ان تجزیوں کو دکھایا جانے لگا ہے۔ یہ بات معلوم نہیں کہ ان پیشن گوئیوں اور تشریحات پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے لیکن ان میں سے کچھ ایسی ہیں جو جنوں کے ذریعے سے انسانوں تک پہنچی ہیں۔

جنّ بغیر دھوئیں کی آگ سے بنے ہیں وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں ہم میں سے صرف کچھ لوگ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔انسان کو پانی اور مٹی سے بنایا گیا ہے جبکہ فرشتوں کو نور سے بنایا گیا ہے۔فرشتے غلط کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ سوتے ہیں اور ان کے بچے بھی نہیں ہوتے۔وہ مسلسل اللہ کی حمد کرتے ہیں۔اللہ ان سے تخلیقی کام لیتا

ہے۔جن ہماری طرح غلط اور صحیح کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان میں سے کچھ مسلم، کچھ کافر اور کچھ منافق ہوتے ہیں۔منافق وہ ہیں، جو کہنے کو تو مسلم لیکن حقیقت میں کافر ہوتے ہیں۔جنّ لوگوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور اپنے علم سے لوگوں کو نہ دکھائی دینے والے کچھ واقعات بتا دیتے ہیں۔یہ واقعات مستقبل میں بھی ہو سکتے ہیں۔ان کو جادوگر، کاہن اور پیشین گوئیاں کرنے والے عامل استعمال میں لاتے ہیں۔

ٹ ت جان کی تحریروں ، اورنوسٹروڈیمس کی پیشن گوئیوں میں ان غلط کار، شیطانی جنّوں کا ہاتھ ہے۔چونکہ وہ ہر سچ کے ساتھ کچھ نیم سچ اور کچھ خالص جھوٹ ملا دیتے ہیں اس لئے ان پر مکمل اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔یہ پیشن گوئیاں اس وقت قابل اعتبار ہوسکتی ہیں جب واقعات سچ مچ ویسے ہو جائیں جیسے انہیں بیان کیا گیا ہے۔پس سب سے قابل اعتبار ذریعہ حدیث ہے جو دجال کے متعلق اور ان واقعات کے متعلق تفصیلاً بیان کرتی ہے۔صحیح اسناد کے ذریعے سے حدیث کے یہ الفاظ بہت ہی قابل اعتبار ہو جاتے ہیں۔

تحریر میں لائی جانے والی احادیث بہت دھیان سے ریکارڈ کی گئی ہیں۔علما نے ان کی اسناد اور الفاظ کا متن بہت لپکتے ں اور دھیان سے جانچا ہے۔اس کے برعکس بائیبل کی اسناد اور متن کا ریکارڈ اس طرح نہیں رکھا گیا۔اس لئے بائیبل کا بہت سا حصہ ایسے ذرائع سے لیا گیا کہ ان پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔اس لحاظ سے بائیبل میں جو باتیں انبیاؑ سے منسوب کی گئی ہیں ان کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علم مومن کی گمشدہ میراث ہے اس لئے مومن کو صحیح علم جہاں کہیں بھی ملتا ہے وہ اسے حاصل سکتا ہے۔مومن ایسا ۔ یت ن ہے جو نہ صرف اللہ پر یقین رکھتا ہے بلکہ اپنی روزمرہ زندگی کے معاملات میں مسلسل قوت کے ساتھ اللہ پر بھروسہ

کرتا ہے۔ مومن کامیابی کے لئے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ پتنگے وہ یقین ہے جو اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور چیز پر بھروسہ کرنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔

مسلم، مومن اور پتنگے تمام کے تمام یقین ہیں لیکن ان میں فرق اللہ کی معرفت کے مدارج میں ہے۔ جن کو اللہ کی معرفت سب سے زیادہ ہوتی ہے ان میں اللہ کا خوف سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے خوف کا اس کی معرفت کے علم سے براہ راست تعلق ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ کا خوف تمام لوگوں اور مخلوقات سے زیادہ ہے۔

علم اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اپنے دل کو اللہ کے فضل سے پاک کرتا ہے۔ جب دل صاف اور پرسکون ہو جاتا ہے تو اس میں صحیح علم کا اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس علم کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے جہاں لکھے ہوئے الفاظ کی حد ختم ہوتی ہے۔ جن کے دل تزکیہ پا چکے ہیں ان کے لئے دجالی نظام کو اس کے دنیا میں رائج سوشل اور کلچرل رنگ اور ان کے پیچھے کی ان دیکھی طاقتوں کو سمجھنا آسان ہے اور ان کے تجربات اصل میں، لکھے ہوئے الفاظ کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

مومن وہ مسلم ہے جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس بھروسہ کا ایک حصہ دوسروں کو سمجھنا، اپنی ذات اور تجربات کی معرفت حاصل کرنا اور جو علامات خود میں اور جو افق پر نظر آ رہی ہیں ان کو سمجھنا ہے۔ یہ بھروسہ مکمل ہو جاتا ہے جب خود آگہی کا یہ عمل تکمیل کو پہنچتا ہے کیونکہ اپنی ذات کی معرفت، اللہ کی معرفت کی طرف لے جاتی ہے اور اللہ کی معرفت سے اس کی مخلوق کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور پھر جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے، چاہے وہ

نظر آنے والا ہو یا نہ نظر آنے والا چاہے وہ خیال کی گرفت میں آسکتا ہو یا نہ آسکتا ہو اس کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ جس کسی کو بھی یہ بھروسہ اور علم نصیب ہے، وہ پتنگے ہے۔

پڑھنا دیکھنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ دیکھنا پڑھنے کی نسبت بہت طاقت سے تصدیق کرنا ہوتا ہے۔ کتابیں آپ کو سمجھا سکتی ہیں کہ کیا محسوس کیا جا چکا ہے یا کیا محسوس کیا جائے گا یا کیا محسوس کئے جانے کے قابل ہے لیکن اصل محسوس کرنا، کسی شے کے ذائقہ کو چکھنا اصل ہے اور زیادہ اہم ہے، نہ کہ اس احساس اور ذائقہ کا ریکارڈ، چاہے وہ آڈیو ہو دکھائی دینے والا ہو، کاغذ پر ہو، پلاسٹک پر ہو، لوہے پر ہو یا سلائیڈ پر ہو۔ دیکھنا علم بڑھاتا ہے لیکن دیکھنا اور پڑھنا علم کے مختلف درجے ہیں۔

جب دجال کو ان دیکھی قوتوں کے طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ وہ قوتیں ہیں جو کسی اور دنیا سے اس دنیا میں آکر انسانوں کے اندر حلول کر جاتی ہیں۔ جیسے بعض اوقات جن انسانوں اور جانوروں میں حلول کر جاتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دجال بحیثیت اَن دیکھی طاقتوں کے سچ مچ انسانوں اور جانوروں کی شکل میں ظاہر ہو یعنی وہ کسی انسان یا جانور میں حلول کئے بغیر بس اس کا روپ دھار لے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دجال بحیثیت اَن دیکھی قوتوں کے محض کافر جنّ ہوں نہ کہ کوئی اجنبی مخلوق۔ یہ بات تو معلوم نہیں کہ یہ قوتیں کس جہاں سے آتی ہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ اس کائنات میں کئی جہان ہیں جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں رب العالمین کا ذکر آتا ہے۔ ابن عربی نے ایسے کئی جہانوں کا دورہ کیا اور اپنی کتب میں ان تجربات کو تحریر کیا اس نے بہت بڑے بڑے شہروں کا ذکر کیا ہے جن میں ٹیکنالوجی موجود ٹیکنالوجی سے کہیں برتر بیان کی گئی ہے۔

یہ بات کہ یہ اَن دیکھی طاقتیں اب انسانوں میں حلول کر چکی ہیں یا ان کی

صورت میں ظاہر ہو چکی ہیں۔اس طرح واضح ہوتی ہے کہ اب بہت سے لوگ یا گروپ بغیر ذاتی شناخت کے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں{ کارپوریشن کا عمل} وہ بظاہر انسان لگتے ہیں لیکن اصل میں روبوٹ کی طرح کام کرتے ہیں۔ بہت سی کتابیں اور فلمیں وجود میں آچکی ہیں جو اس بات کو واضح کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ یہ محض خیالی باتیں اور فلمیں نہیں ہیں یہ حقائق کی طرف ہماری توجہ دلاتی ہیں اس کی ایک مثال The Man Who Fell to Earth ہے۔

چونکہ دجال کا یہ رخ غیب میں ہے اس لئے اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہے جن کیلئے اس علم کے دروازے اللہ نے کھول دیئے ہیں۔ اگر چہ حضور ﷺ کے لئے یہ دروازے کھولے گئے،لیکن ان میں اس طرح کے علم کی چاہت نہیں تھی۔اس طرح کی اَن دیکھی چیزوں کا علم حاصل کرنے کی چاہت اللہ کی معرفت میں ایک رکاوٹ بن سکتی ہے۔

البتہ دکھائی دینے والی دنیا میں دجالی نظام، واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، خاص طور پر اس صدی میں جو معاشرتی اور ثقافتی تبدیلیاں ہمیں نظر آتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دجالی طریقہ زندگی اب معرض وجود میں آچکا ہے۔آج جس طرح زندگی کو گزارا جا رہا ہے،اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔دوسرے الفاظ میں دجال کی اَن دیکھی قوتوں کا پتہ آج کے دجالی نظام اور دجالی سوشل اور کلچرل عمل کے مطالعہ سے چل سکتا ہے۔

دجالی سوشل اور کلچرل عمل مسلسل آگے بڑھ رہا ہے اور عنقریب یہ طریقہ زندگی اور

عمل پوری دنیا کو مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں اور کنٹرول میں لے لے گا۔ تب جا کر دجال، بحیثیت فرد کے نمودار ہوگا اور اس وقت وہ لوگ جو اس کافر اور دجالی سسٹم کے چلانے والے ہوں گے، دجال کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیں گے۔

پچھلے سو سالوں میں اس زمین پر ڈرامائی تبدیلیاں نمودار ہوئی ہیں۔ پوری دنیا میں ایک سوشل گروپنگ ہوا کرتی تھی۔ جس کی بنیاد گاؤں کی طرز پر خاندانوں کا اکٹھے رہنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہوا کرتا تھا اور یہ سماجی گروہ اور یہ کمیونٹیز ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرتی تھیں۔ اس طرح کی آبادیاں تیزی سے ختم ہوگئی ہیں اور اپنی انفرادی حیثیت گم کر چکی ہیں۔ آج کے بڑے شہر میں فرد تنہا رہ گیا ہے۔ وہ خود سے اور دوسروں سے جدا ہو چکا ہے وہ پیداواری اور صارفی نظام کا حصہ بن چکا ہے۔ وہ اللہ کی معرفت سے دور جا چکا ہے۔ وہ یا تو کام کر رہا ہوتا ہے یا سو رہا ہوتا ہے اور یا پھر سراب کی سی بچوں جیسی ذاتی خواہشات کی تکمیل کرنے میں ایسا لگا ہوتا ہے اور اس دلدل میں وہ ایسا پھنسا ہوتا ہے کہ اس کے پاس کوئی وقت نہیں بچتا کہ سوچے اور سمجھے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے! اور پھر لائحہ عمل تیار کر سکے تا کہ اس جال، جس میں وہ پھنس چکا ہے، اس کو توڑنے اور اس میں سے نکلنے کی ترکیب کر سکے۔

اگر سوشل گروپنگ گاؤں کے ماحول کی وجہ سے باقی ہے بھی تو اسکے ممبران کا آپس کا تعلق اور میل جول کم ہو چکا ہے۔ آپس میں ملاقات کا وقت کم اور ٹیلی ویژن دیکھنے کے لئے زیادہ وقت ہے۔ ملکر کام کرنے کے لئے کم وقت ہے البتہ تنہائی میں زیادہ کام کیا جاتا ہے۔ جو لوگ اسی ماحول میں پیدا ہوئے ہیں انہیں ماحول کی یہ تبدیلی شاید گراں نہ گزرتی ہو۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ (جیسا کہ فلم THX

1138 میں بتایا گیا ہے)

ان تبدیلیوں کے ڈرامائی پن کا اندازہ لگانے کا شاید واحد طریقہ یہ رہ گیا ہے کہ ان حالات کا جائزہ لیا جائے۔ جب ایک ملٹی کھٹکنی کارپوریشن کسی دور دراز کے علاقے کے فطری وسائل کا استحصال کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو تھوڑے ہی عرصے میں مقامی لوگوں کے طریقہء زندگی پر یہ کارپوریشن کنٹرول کرنے لگ جاتی ہے۔ان کی روزی کے حصول کے روایتی طریقے ختم کر دیئے جاتے ہیں۔اس طرح کارپوریشن کی فیکٹری میں کام کرنے کے لئے سستی لیبر مہیا ہو جاتی ہے۔ اچانک ہر شخص کو ایک نمبر مل جاتا ہے اور ہر کوئی اس شے ، جسے روپیہ کہتے ہیں، کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔اور پھر وہ سوشل تعلق جو اس فیکٹری، کی کھدائی کے کنویں یا اسمبلی پلانٹ سے پہلے ہوا کرتا تھا، ماضی کی بات بن جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ترقی کے نام پر کیا جاتا ہے۔لوگوں کی زندگیوں کا چمنیو ر بڑھانے کے نام پر کیا جاتا ہے لیکن حقیقتاً یہ نیا لائف سٹائل، جس کا تعلق نئی ٹیکنالوجی سے ہے اور جس میں حقیقی علم کا مذاق اڑایا جاتا ہے (حقیقی علم کافر کے نزدیک تعلیم اور ڈگری ہے) اصل میں انسانی تعلقات اور رویوں میں ایک تباہی لے آتا ہے اور وہ لوگ جو اس چکر اور دام میں نہیں آپاتے یا جن کو جان بوجھ کر پیچھے رکھا جاتا ہے۔ان کو آہستہ آہستہ نئی بیماریوں اور وائرس سے ختم کر دیا جاتا ہے۔ایسی بیماریاں جن کے لئے ان کے پاس مزاحمت بھی نہیں ہوتی۔

ماضی میں ایک جگہ کے رہنے والے لوگوں کا باہمی تعلق خدا کی عبادت کی وجہ سے بھی مضبوط ہوتا تھا۔آج یہ بات کم ہوگئی ہے۔مغرب میں اس کے کم ہونے کی وجہ عیسائی مذہب ہے۔ چونکہ عبادت کے طریقے جو عیسائیت میں رائج ہیں وہ حضرت عیسیٰؑ کے طرز عبادت کی نمائندگی نہیں کرتے اس لئے لوگوں کو ان سے سکون اور اللہ کی معرفت نصیب

نہیں ہوتی۔اول تو اکثر لوگوں کو اس معرفت کی تلاش ہی نہیں ہے اور جن کو ہے وہ اس طرزِ عبادت سے جلد بیزار ہو جاتے ہیں۔ مزید براں صنعتی انقلاب نے مغربی تہذیب کو روحانیت کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے تو آفیشیل ٹرنٹی چرچ کو ہی انٹی کرائسٹ قرار دے دیا ہے کیونکہ اس چرچ کی تعلیمات نہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے انحراف کرتی ہیں بلکہ اس کی صحیح معنوں میں مخالفت کرتی ہیں۔

اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ تثلیثی کلیسا نے اہل اقتدار سے ملکر عیسائیوں میں خدائے واحد کے ماننے والے لوگوں پر بہت ظلم ڈھائے اور انہیں صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا (ان خدائے واحد کے ماننے والے عیسائیوں میں نزرائی، اے بیونٹس، ڈونائسٹ، آریز، ایڈوپیشنٹر، پالیشین، ایلیومنٹس، کتھاری، اور بہت سے گوتھ شامل ہیں) ان لوگوں نے بہت کوشش کی کہ حضرت عیسیٰؑ کی اصلی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ جب تثلیث کے پیروکاروں نے خدائے واحد کے ماننے والے عیسائیوں اور یہودیوں کو ختم کر دیا تو پھر ان کی توجہ توحید کے نام لیوا اور مصطفیٰؐ کے پیروکاروں کی طرف ہوئی۔ اگرچہ ان کو ختم کرنے میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی لیکن یہ کوششیں آج بھی جاری ہیں۔

ماضی میں بھی اور حال میں بھی ان کوششوں میں تثلیث کے پیروکاروں کو کامیابی اس لئے نصیب ہوئی کہ کافر نظام اور اہل اقتدار نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ دجالی نظام شروع سے ہی اسلامی نظام حیات کو تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ سائنس اور تثلیثی عیسائیت میں جو فرق نظر آتا ہے وہ ایک نورا کشتی تھی۔ اس لئے کہ دونوں کی بقاء کا اصل دارومدار وہی دجالی نظام تھا۔ البتہ یہ فرق ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے کہ تثلیثی چرچ کے رہنماؤں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کی تعلیمات حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات نہیں۔

لیکن عام لوگوں میں ایسے لوگ عیسائی بھی تھے کہ جن کے نزدیک عیسائیت اصل میں وہی تثلیثی چرچ تھا اور وہ خلوص دل سے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سمجھ کر عمل پیرا تھے اور پھر ان کا اسلام کے طرز زندگی سے واسطہ بھی نہیں ہوا۔

یہودیوں کا بھی یہی معاملہ ہے وہ بھی حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ان میں سے بہت تو ان قبائل کی اولاد بھی نہیں جن کی طرف حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کو بنا کر بھیجے گئے۔ ان یہودیوں میں سے مشہور خاضار کے یہودی ہیں۔ یہ لوگ ترکی اور روس کے درمیانی علاقے میں آباد تھے۔ ان کے لیڈر کنگ جوزف نے یہودیت کو سیاسی ضرورت کے طور پر اختیار کیا تھا تاکہ عیسائیوں اور بیتنوں کے حملوں سے بچ سکیں۔ اس کو معلوم تھا کہ خدا کی عبادت کرنے والے عیسائی اور بیتن اسے کچھ محدود سی حفاظت مہیا کریں گے۔ خاضار کی اولاد جنہیں ایشکنزائی یہودی کہتے ہیں، آرٹس اور بزنس میں ماہر تھے۔ وہ جس طرزِ زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں، وہ حضرت موسیٰؑ کی طرز زندگی نہیں تھی، اصل میں حضرت موسیٰؑ کی طرز زندگی تو حضرت عیسیٰؑ کے آنے سے پہلے ہی ترک کی جا چکی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کا ظہور اصل میں اسی طرز زندگی کو ان قبائل میں دوبارہ قائم کرنا تھا۔ لیکن ان یہودیوں نے تو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا نبی ماننے تک سے انکار کر دیا۔ خاضار خود کو تیرھواں یہودی قبیلہ سمجھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے انہیں قیامت کی چار نشانیوں میں سے ایک قرار دیا اور وہ ہے یاجوج ماجوج۔ کیونکہ یہ یہودی ہیں بھی اور نہیں بھی اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے تو ان کا تعلق دجال کے ظہور سے جا ملتا ہے۔ یہ لوگ ویسے بھی اس نظام کے ذیلی نظاموں (Sub-systems) میں بہت اعلیٰ عہدوں پر سے کنٹرول کر رہے ہیں۔

اب کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ اگر یہودی اور عیسائی صحیح طریقے سے اپنے انبیاؑ کی

پیروی نہیں کر رہے تو مسلمان کونسا حضرت محمد ﷺ کی اتباع کر رہے ہیں۔ یہ بات کسی حد تک صحیح ہے اور جزوی طور پر عیسائیوں کی اور یہودیوں کی کامیابی ہے کہ جنہوں نے مسلسل کوشش کی ہے کہ مسلم یا تو تباہ ہو جائیں یا حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر نہ چل سکیں۔

ایک طریقہ جس سے کفار نے مسلمانوں میں دین کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ کہ انہوں نے کافرانہ نظام حیات مسلمانوں میں رائج کر دیا اور اس کافرانہ نظام حیات پر اسلامی اصطلاحات کا لیبل بھی لگا دیا۔ تقریباً تمام کی تمام مسلمان ریاستیں اس وقت کافرانہ نظام کے تحت چل رہی ہیں، نہ کہ شریعت کے مطابق۔ حالانکہ حضرت محمد ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا تھا کہ مسلمان بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے نقش قدم پر چلیں گے۔۔۔۔۔۔۔ لیکن کچھ مسلمان اب بھی حضرت محمد ﷺ کے فرامین اور طرزِ زندگی کی پیروی کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اکثر مسلمان نبیؐ کے طرز زندگی پر نہیں چل رہے، جبکہ یہ طرزِ زندگی عملاً انسانوں کی رہنمائی کیلئے موجود ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے جس طریقہ سے نماز پڑھی وہ زمانہ کی بھول بھلیوں میں گم ہو چکا ہے۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کا طریقہ نماز پوری طور پر موجود ہے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی شریعتیں گم ہو چکی ہیں۔ اس کی بجائے عیسائیت اور یہودیت کو اپنا لیا گیا ہے اور اب یہی مذاہب کافرانہ دجالی نظام کا حصہ بن گئے ہیں اور یہ دجالی نظام انبیاؑ کے طرز زندگی سے بالکل متضاد ہے۔

دنیا میں تین قسم کے سوشل گروپس ہیں۔ ایک گروپ ان لوگوں کا ہے جو فطرت کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں لیکن انہیں انبیاؑ کی طرز پر اللہ کی عبادت نصیب نہیں۔

دوسری مسلم کمیونٹی ہے جو فطرت کے مطابق بھی رہتی ہے اور اسے اللہ کی عبادت اور حضرت محمد ﷺ کا طریقہ زندگی بھی نصیب ہے۔ تیسرا گروپ کفار کا ہے جنہیں نہ فطری زندگی نصیب ہے نہ انبیاؑ کی طرز پر اللہ سے تعلق نصیب ہے۔ اس وقت دنیا میں تینوں کی اور فطرت کے مطابق رہنے والے کی آبادیوں میں دجالی نظام گھس آیا ہے دجال کے اس رخ کو سمجھنے کے لئے اس دجالی نظام کا بڑی تفصیل سے معائنہ اور تجزیہ کرنا پڑے گا۔

آج کی کافر حکومت میں طرز حکومت بہت وفاقی اور کمپیوٹرائزڈ ہوتا ہے یہ کنٹرول میڈیا، ذرائع مواصلات اور انفارمیشن کے شعبوں میں ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے بہت بڑھ گیا ہے۔ زیادہ تر کافرانہ حکومت پولیس سٹیٹس ہیں اگر ہم سو سال پہلے سے مقابلہ اور موازنہ کریں تو حکومتوں کا اپنی عوام پر یہ کنٹرول بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ یہ کنٹرول اصل میں اسی طرز پر کیا جاتا ہے جس پر ماڈرن انڈسٹریل سوسائٹی میں عوام سے کام لیا جاتا ہے۔

تجارت آج بڑی بڑی کارپوریشنز کرتی ہیں۔ یہی کارپوریشنز بعض اوقات پوری دنیا میں پھیلی ہوتی ہیں۔ ہر شخص جو اس کارپوریشن میں کام کرتا ہے اسے اس کے اصولوں اور ماحول سے کنٹرول کر لیا جاتا ہے۔ انسانیت، صحیح اور عام سوچ ان اصولوں کے تابع ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک چھوٹا بزنس بھی قوانین میں جکڑ لیا جاتا ہے۔ ہر ایک کو یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ قوانین ان کی بہتری کے لئے ہیں لیکن کسی کو موقع نہیں دیا جاتا کہ وہ ان کا صحیح تجزیہ کر سکے یا ان کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور کر سکے۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وہ لوگ جو حکومتوں کو کنٹرول کرتے ہیں، ان کارپوریشنز کو بھی کنٹرول کرتے ہیں۔ کافرانہ نظام حکومت میں جو لوگ کنٹرول کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں وہی قانونی نظام کو بھی کنٹرول کر رہے ہوتے ہیں۔ اس قانونی نظام کے ذریعے سے وہ زندگی کے باقی شعبوں

میں کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں۔

سب سے اہم سوشل گروپنگ آج کے دور میں انسان کے کام اور پروفیشن کے گرد ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اہرام (Pyramid) کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس پر کنٹرول فرعون کی طرز پر ہے۔ کام کرنے کا یہ طریقہ انسانوں کو غلام بنانے کی نئی طرز ہے کیونکہ اس طرز غلامی میں غلاموں کو پتہ نہیں چلتا کہ انہیں غلام بنایا جا رہا ہے۔ کافرانہ نظام کے سب شعبے بزنس کے سٹائل پر چلائے جاتے ہیں، چاہے وہ قانونی شعبہ ہو، فیکٹری ہو، یونیورسٹی ہو، ہسپتال ہو یا میڈیا ہو۔ ان تمام شعبوں میں ایک ہی مقصد کارفرما ہے اور وہ یہ کہ Consumer Producer Process کو بڑھایا جائے اور اصل میں یہ Process ہی آج کا نیا مذہب اور دین ہے۔

اسی کو زندگی گزارنے کے بہترین طریقہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کے چند لوگ جو اس مذہب کو لوگوں میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں وہی اس سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

غیر ترقی یافتہ قوموں اور ملکوں میں غاصبوں نے ہمیشہ مقامی لوگوں کے طرزِ زندگی کو ختم کیا ہے اور پھر Consumer Producer Process کو وہاں رائج کیا ہے۔ بنیادی طریقہِ واردات یہی رہا ہے کہ مقامی لوگوں کو اس امر پر مائل کیا جائے کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ چیزیں بنائیں اس کام کے لئے انہیں زیادہ گھنٹے کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اور انکی خواتین کو بھی یہی بتایا گیا کہ وہ تب ہی آزاد ہو سکتی ہے اگر گھر سے باہر نکل کر کام کریں۔ کام کو دلفریب بنانے کے لئے انہیں کرنسی (پیسے / روپے / ڈالر / ریال) کا لالچ دیا جاتا ہے لیکن دیا اتنا ہی جاتا ہے کہ وہ اس پر اپنی زندگیوں کا انحصار کرنے

لگ جائیں لیکن ان کی بچت نہ ہونے پائے۔

اسی دوران، ان کی ضرورتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور انہیں نئی سے نئی مصنوعات خریدنے پر مائل کیا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر مصنوعات ان کی ضرورت بھی نہیں لیکن خواہشات کا سمندر جب دلوں میں ابھر آئے تو پھر انسان ان اشیاء کو خریدنے کیلئے پیسے کے لالچ میں زیادہ کام کرتا ہے۔

قرضوں کے اجراء کی صورت میں اس صورت حال کو مزید ہوا دی جاتی ہے۔ قرضہ لینے کے بعد عام طور پر لوگ اس دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک کے دل میں روپے پیسے کی ضرورت بلکہ خواہش کی آگ بھڑکائی جاتی ہے تاکہ وہ سود اور قرض کی لعنت میں گرفتار ہو کر زندگی بھر محنت کرتے رہیں۔ یقیناً سوسائٹی میں ہمیشہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے اندر روپے پیسے کی خواہش کی آگ تو بھڑک اٹھتی ہے لیکن وہ اس کے لئے کام نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ جرائم کو کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اس سے کافرانہ نظام کو کنٹرول کرنے والوں کو بہانہ مل جاتا ہے کہ قانون کا ایسا نظام بنائیں کہ عوام پر ان کا کنٹرول بڑھ جائے۔ ایک تو ایسے قوانین کو لاگو کرنے کے لئے کچھ لوگوں کا ذریعہ معاش بندھ جاتا ہے کہ قوانین نافذ کرنے والے اداروں میں لوگ بھرتی کرنے ہوتے ہیں اور پھر ان کیلئے عمارات، جیلیں، عدالتیں تعمیر کرنی ہوتی ہیں۔ لوگوں کے جرمانوں سے تو عدالتی نظام نہیں چل سکتا۔ اس لئے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ اب ٹیکسوں کے نظام کے لیے مزید لوگوں کو بھرتی کرنا پڑتا ہے اور ان کے لیے عمارات اور دفاتر تعمیر کرنے پڑتے ہیں جو کہ مزید ٹیکسوں کا باعث بنتے ہیں۔ جوں جوں ٹیکسوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اشیاء کی قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں، لوگوں کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اب چند لوگ بے چین

ہوتے ہیں ،ٹیکس چوری کرنا چاہتے ہیں اور نظام کو تبدیل کرنے کے درپے ہونے لگتے ہیں۔اس طرح کی حرکات کو روکنے کے لئے مزید قوانین بنائے جاتے ہیں اور قانونی نظام میں کام کرنے والے لوگوں کو زیادہ کام میسر ہو جاتا ہے۔تھوڑے ہی عرصے میں Consumer Producer Process مکمل طور پر اس جگہ پر اپنی جڑیں گہری کر لیتا ہے، جہاں کبھی لوگ ایک سوشل سطح پر گروپنگ کی حالت/ کمیونٹی کی حالت میں آباد ہوا کرتے تھے۔عوام اور محنت کش اس دلدل میں ایسے پھنستے ہیں کہ ان کی توجہ اپنے رازق سے ہٹ جاتی ہے اور نظریں رزّاق کی بجائے رزق اور ضرورتوں پر لگ جاتی ہیں۔

جیسے جیسے Consumer Producer Process بڑھتا جاتا ہے اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا ہے۔انسانی سوسائٹی زیادہ سے زیادہ تقسیم اور پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور پھر جب یہ عمل اپنے عروج پر ہو تو وہی کچھ سامنے آنے لگتا ہے جو آج ہم ان ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ رہے ہیں یعنی انسانی رشتوں کی مکمل تباہی۔اس کافرانہ Consumer Produce Process نے طریقہ زندگی کے اصل نظام کو، جو کہ انبیاؑ کا طریقہ تھا، تباہ کر دیا ہے۔

آج کروڑوں لوگ اس دجالی، کافرانہ نظام میں پھنس چکے ہیں اگرچہ بہت سے لوگ اس سے ناخوش ہیں لیکن ان کے ذہن اس طرح پروگرام کئے جا چکے ہیں کہ وہ زندگی، تہذیب اور ترقی کا مطلب یہی سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ چیزوں کو بنایا جائے اور پھر انہیں استعمال کیا جائے۔اب انہیں حضرت محمد ﷺ کا طریقہ زندگی پرانا اور قدیم لگنے لگا ہے۔

Consumer Producer Process لوگوں سے بچوں جیسا سلوک

کرتا ہے کہ ان کو محنت اور تفریح کی طرف راغب کرتا ہے لیکن مشکل سوال پوچھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کنٹرول کرنے والوں اور کنٹرول ہونے والوں کی جہالت اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ انہیں زندگی کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔ مرنے کے بعد کیا ہوگا اس کا پتہ نہیں۔ موت کی حقیقت کی طرف ان کی نگاہ نہیں جاتی۔ وہ اس فریب میں مبتلا ہیں کہ مرنے کے بعد وہ مٹی ہو جائیں گے۔ انبیاؑ کے پیروکار جانتے ہیں کہ ہر شے اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جاتی ہے اور وہ ایک ایسے سفر میں ہیں جس کا آغاز اللہ سے ہوا اور منزل بھی اللہ ہی ہے۔ موت کی حقیقت کے لئے وہ اندازوں اور تخمینوں کی بجائے اللہ کے پیغام پر یقین رکھتے ہیں اور اس طرح جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ قبر میں کیا سوال کئے جائیں گے۔ قیامت تک قبر میں انتظار کی گھڑیاں یوم حساب اور آخری فیصلہ، کہ جہنم یا جنت میں سے کہاں منزل ہوگی، وہ ان سب سے آگاہ ہیں۔

انبیاؑ کے یہ پیروکار صرف موت کی حقیقت ہی نہیں جانتے بلکہ زندگی اور اس کے اختصار کی حقیت کو بھی سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق اپنے اعمال کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ جنت پر بلکہ صرف اللہ پر ہوتی ہے۔ اپنی دنیا اور طاقت حاصل کرنے کے لئے دوسروں کا استحصال کرنا، ان کے لئے ایک بے کار سا عمل ہے۔

البتہ کافر کے لئے یہی زندگی کا مقصد ہے۔ اسی لئے تو وہ اسی دنیا کو اپنے لئے جنت بنانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے۔ انبیاؑ کے طرزِ زندگی کی بنیاد اللہ کی عبادت ہے۔ بیتوں کی پانچ وقت کی نماز اصل میں پانچ ستون ہیں۔ وہ اس کے دل کو سہارا دیتے ہیں اور زندگی کی حقیقت کو آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ ٹ کام کرنا بھی ضروری ہے لیکن مومن اپنے کام اور کام کے حالات کا محتاج نہیں ہوتا وہ صرف اللہ کا محتاج

ہوتا ہے۔

مومن کبھی اپنے رزق کے لئے پریشان نہیں ہوتا کیونکہ اسے پتہ ہے کہ رزق تو اللہ کی طرف سے ہی ملے گا۔ اسے پتہ ہے کہ جو اللہ کو یاد کرے گا اللہ اسے یاد کرے گا اور رزق اسی کی جانب سے آئے گا۔ اسلامی اقتصادیات کی بنیاد قرضوں کا اجرا نہیں ہے بلکہ یہ امیر لوگوں کا رضا کارانہ طور پر غربا کو دولت میں شریک ٹھہرانا ہے۔ جو کچھ کافرانہ نظام میں ظالمانہ ٹیکسوں کے ذریعے سے حاصل کیا جاتا ہے اس سے کہیں بہتر مسلم کمیونٹی میں رضا کارانہ شرکت حاصل کی جاسکتی ہے۔ دولت میں رضا کارانہ شرکت کی اجازت کوئی تبھی دے سکتا ہے جب زندگی کی حقیقت اس پر واضح ہو۔ جس کو دولت ملی ہے اس کو پتہ ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ اس کو دوسروں پر خرچ کرنے سے اللہ کی طرف سے انعام ملے گا اور اگر دوسروں پر خرچ نہیں کرتا تو یہی دولت تو جہنم میں لے جائے گی۔ جس کسی کو بھی اللہ کا سامنا کرنے کا یقین ہے اسے پتہ ہے کہ اسے دوسروں پر اپنی دولت خرچ کرنا ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں ابو ذر غفاریؓ کو فرمایا کہ جہنم میں جانے کا سب سے زیادہ خطرہ امرا کے لئے ہے جب تک کہ وہ ہر طرح سے دوسروں پر خرچ نہ کریں۔ صدقہ اور دوسروں پر خرچ کرنا جہنم کی آگ کے لئے ڈھال ہے۔ اسی لئے مسلم کمیونٹی کو بہت بڑی پولیس اور بڑی بڑی جیلوں کی ضرورت نہیں پڑتی کہ جہنم کا خوف انسانوں پر ظلم کرنے سے اور خود غرضانہ عمل سے بیتن کو روک دیتا ہے اور اسی طرح جنت میں جانے کا شوق اس سے احسن عمل کرواتا ہے۔ مسلم کمیونٹی کو ظالمانہ قوانین بنانے کی ضرورت اسی لئے پیش نہیں آتی۔ لیکن کافرانہ نظام میں لوگ جنت اور جہنم کو عیسائی

پادریوں کا تخیل سمجھتے ہیں کہ جوانہوں نے سادہ لوح عوام کو لوٹنے اور بلیک میل کرنے کے لئے بنایا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ جنت اور جہنم کا جو نقشہ عیسائی پادریوں نے عوام کے سامنے پیش کیا، وہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے ہٹ کر تھا اور لوگوں کو جہنم سے ڈرا کر اور جنت کا لالچ دے کر ان کے مالوں کو لوٹنے کا ذریعہ تھا لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جنت اور جہنم حقیقی ہیں اور ہمیں ان میں سے ایک میں جانا ہے اور کوئی اور متبادل راستہ نہیں ہے۔

قرآن میں جنت اور جہنم کا نقشہ پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ کسی کی اپنی اختراع نہیں کہ جہنم اس قدر ہولناک ہے کہ وہاں جانے کا خیال انسان کے لئے ناقابل برداشت ہے اور چونکہ یہ کسی کو بھی یقین نہیں کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا یہ بات محض خیالی نہیں ہوسکتی۔

دوسروں پر فیاضی سے خرچ کرنا مسلم تجارت اور لین دین کی بنیاد ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی اللہ کے نام پر دیا جاتا ہے وہ دس گناہ ہوکر واپس آجاتا ہے۔ مومن صرف اللہ سے لینے والا ہوتا ہے۔ کافر سود کے ذریعے سے اپنی دولت بڑھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب سود کی شرح بڑھتی جاتی ہے تو کاغذوں اور پلاسٹک کی یہ دولت بے کار ہوتی جاتی ہے۔ مومن اللہ کے نام پر دیتا ہے اور سب حساب کتاب اس پر چھوڑ دیتا ہے۔ کافر کو کروڑ پتی بننے کے لئے ظالمانہ طریقہ اور سوچ اختیار کرنا پڑتی ہے جبکہ مومن کو اپنی دولت بڑھانے کے لئے فیاض اور صاحب دل ہونا پڑتا ہے۔ کافر نظام بہت بھاری ٹیکس اور سرمائے کے ارتکاز پر زور دیتا ہے جبکہ مومن کمیونٹی میں ٹیکس کم سے کم اور سرمایہ کی گردش زیادہ ہوتی ہے اور لوگ اپنی دولت کو رضا کارانہ طور پر شرکت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ کاغذ اور پلاسٹک کی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اصلی دولت جیسے سونا اور چاندی اقتصادی گردش میں رہتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ اگر ان کے پاس احد کے برابر سونا ہو اور وہ تین دن میں اسے ضرورت مندوں پر خرچ نہ کر دیں تو انہیں شرمندگی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی دولت کو ایک رات کے لئے بھی اپنے گھر ٹھہرنے نہ دیتے تھے۔ دن کے آخر تک دولت کو تقسیم کر دیتے تھے۔

کافرانہ نظام میں دولت کی تقسیم کا ایسا نظام ہوتا ہے کہ دولت صرف صاحبِ اقتدار کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے جبکہ مسلم کمیونٹی میں یہ تقسیم فطری طریقے پر ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ اچانک اور بغیر کسی چاہت کے مل جاتی ہے۔ مسلم کمیونٹی میں لوگ اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت میں تلاش کرتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا کہ ہم نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے تخلیق کیا۔

ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ ظاہر ہو جاؤں تو میں نے اس کائنات کو تخلیق کیا۔ گویا جاننے والا بھی وہی، علم بھی وہی اور جانا گیا بھی وہی ہے۔

کافرانہ دجالی نظام میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہوتا، ان کے ذہنوں کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ وہ زندگی کا مقصد Consmer Producer Process میں تلاش کرتے ہیں اور یوں وہ اس نظام کی غلامی اور سنہری بیڑیوں میں جکڑے جاتے ہیں۔

کافرانہ دجالی نظام آپس میں مربوط سسٹم سے مل کر بنتا ہے۔ ان میں کچھ سسٹم زیادہ پراثر کردار ادا کرتے ہیں اگر ہم ان پر کنٹرول کرنے والے سسٹم کا تجزیہ کریں تو آپس

کا یہ ربط سمجھ آنے لگتا ہے۔ ذہن میں رہے کہ ہم اس نظام کے مختلف حصوں کے عمل اور ساخت کا مطالعہ کر رہے ہیں نہ کہ ان لوگوں کو جو ان میں کام کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اسی دجالی کافرانہ نظام کے اندر جنم لیتے ہیں اور تربیت پاتے ہیں لیکن وہ اس سے متفق نہیں ہوتے بلکہ ان کے براہِ راست تجربے کی وجہ سے ان کا مشاہدہ زیادہ قوی اور پر اثر ہوتا ہے، بہ نسبت ان لوگوں کے جو کسی حد تک فطری یا مسلم کمیونٹی میں پیدا ہوئے یا بڑے ہوئے۔

اس بات کا الٹ بھی درست ہے ایک شخص جو مسلم کمیونٹی میں بڑا ہوا، بعض اوقات اسلامی طرز حیات کو ترک کر بیٹھتا ہے۔ زندگی میں کوئی شے بھی مقید نہیں، ہر شے تغیر کے عمل میں ہے۔ کتنے ہی بچے جو دجالی نظام میں پل کر جوان ہوئے آج اسلام کو سینے سے لگا رہے ہیں اور کتنے لوگ جو ایسے ان گھروں میں پیدا ہوئے اس کافرانہ نظام کو اپنائے ہوئے ہیں۔

کافرانہ نظامِ کارخانہ داری:

اگرچہ یہ ایک پرانی کہاوت ہے لیکن اس میں کچھ حقیقت ہے کہ کچھ لوگ تو اس لئے کام کرتے ہیں کہ زندگی آرام سے بسر ہو سکے، لیکن کچھ لوگ اس لئے زندہ رہتے ہیں کہ کام کر سکیں۔ کافر کا فیکٹری سسٹم ایک غیر انسانی اور ذلت آمیز نظام ہے۔ یہ انسانوں کو Consumer Product Process کا ایک ضروری حصہ تو سمجھتا ہے لیکن محض ان کو اپنی غرض کیلئے استعمال کرنے کی حد تک۔ زیادہ مشینوں کے استعمال کی وجہ سے وہ انسان جو مشین کو چلاتا ہے اس کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ انسان کو مشین کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ وہ فیکٹری جس میں ۲۴ گھنٹے کام ہوتا ہے۔ کام کرنے والوں کو بری طرح کنٹرول کیا

جاتا ہے تا کہ مشینیں رکنے نہ پائیں۔ بچے کی پیدائش ،شادی اور موت، زندگی کے اہم واقعات نہیں بلکہ ناخوشگوار ضرورتیں بن جاتی ہیں جن سے مشینوں کے کاموں میں رکاوٹ کا ڈر ہوتا ہے۔ چھوٹے کنٹریکٹ کے ذریعے سے بے روزگاری کا ڈر بڑھا دیا جاتا ہے اور یہ خوف بٹھا دیا جاتا ہے کہ میری جگہ کوئی اور نہ لے لے۔ ایسے میں وہی اپنی جاب بچا سکتا ہے جو یا تو روبوٹ کی طرح کام کرے یا سچ مچ روبوٹ بن جائے۔

اس فیکٹری میں کامیاب شخص وہ ہوتا ہے جس کا دوسروں پر زیادہ کنٹرول ہو اور جس کو زیادہ پیسے مل سکتے ہوں۔ جتنی زیادہ چیزیں آپ خرید سکتے ہوں، اتنے زیادہ آپ کامیاب تصور کیے جائیں گے۔

کافرانہ نظامِ تعلیم:

کافر سوسائٹی میں تعلیم کا بنیادی مقصد کام اور جاب کرنا ہے۔ اس کا مقصد خود کو یا زندگی کے مقصد کو سمجھنا نہیں ہے۔ کافر تعلیمی ادارے فیکٹریوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب پروڈکٹ چیزیں نہیں بلکہ وہ شخص ہے جو یا تو فیکٹری میں چیزیں بنانے میں مدد کرے گا یا ان فیکٹریوں میں منیجر کا کام دے گا یا کسی اور سیٹ اپ میں کام کرے گا تا کہ وہ پروڈکٹ اور سروسز کی اشتہار بازی کرے یا ان کو بیچنے اور استعمال کرنے کا عمل کر سکے۔ چاہے اس نے پبلک سیکٹر میں کام کرنا ہو یا پرائیویٹ سیکٹر میں یا سروس سیکٹر میں۔ تعلیمی نظام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ہر شخص کا ذہن ایسا بنایا جائے کہ وہ اپنے اردگرد کی دنیا کو زندگی کی ضرورتوں، بے روزگاری اور جی قومی پیداوار (Gross National Product) کی عینک لگا کر دیکھے۔ کافر میڈیا سسٹم تعلیمی نظام کے اس

اقتصادی مقصد میں مزید مدد کرتا ہے۔

Consumer Producer System نظام میں لوگوں کو غلامی پر مطمئن رکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انہیں حقائق سے دور رکھا جائے۔ پس انہیں خاص خاص معلومات تعلیم اور میڈیا کے ذریعے پہنچائی جاتی ہیں۔ ان کا ذہن ڈگری کے کاغذ کے حصول کیلئے تیار کیا جاتا ہے اور اس طرح کی قابلیت ان میں پیدا کی جاتی ہے کہ وہ Consumer Producer System کے عہدوں میں کسی ایک پر فائز ہو سکے۔ اگر کسی وجہ سے ذہن بنانے کا یہ عمل نامکمل رہ جائے تو کافر قانونی نظام فوراً عمل میں آتا ہے تاکہ Consumer Producer System کا یہ خیال اس شخص کے دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ اگر کسی فرد کا جاب ریکارڈ اچھا ہو تو اسکے ساتھ قانون کچھ نرمی اختیار کرتا ہے۔ لیکن اگر ذہنی طور پر کسی کو اس بنیادی بات سے حقیقی اختلاف ہو جائے تو اس کی زیادہ تر زندگی جیل میں گزرتی ہے۔ آخر میں وہی نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص اداروں کے ذریعے سے بے اثر بنا دیا جاتا ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں سکھانے والے اساتذہ کی بڑی تعداد حقیقی علم سے عاری ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر انہیں اللہ کی ذات کا حقیقی علم اور معرفت نصیب ہوتی تو وہ خود کو ایسے نظام کا حصہ بننے سے روک لیتے۔ پھر حقیقی اور سچا علم مفت ہوتا ہے۔ جب علم کے لئے فیس ادا کی جاتی ہے تو طالب علم کو محض معلومات مہیا کی جاتی ہیں ایسی معلومات جن کا بیشتر حصہ بے کار ہوتا ہے۔ مفید معلومات وہ ہوتی ہیں جو ہمیں حقیقی علم اور اللہ کی معرفت کی طرف لیکر جاتی ہیں۔

جن کو صحیح علم اور معرفت نصیب ہوتی ہے، وہ اس کے لئے فیس نہیں مانگتے۔ کیونکہ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان کا علم برائے فروخت نہیں ہے اور انہیں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے یہ

علم اللہ کی رحمت اور اس کا تحفہ ہے اور صرف تبھی ملتا ہے جب اس کے حصول کے لئے دل سے کوشش کی جاتی ہے اور اس لیے نہیں ملتا کہ ہم اس کی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔ واحد قیمت جو اس علم کے حصول کیلئے ادا کی جاتی ہے، وہ اللہ کی عبادت اور اس کا خوف ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے۔ یہ علم محض کوشش اور خواہش سے حاصل نہیں ہو جاتا جب تک اس میں اللہ کی رضا شامل نہ ہو۔

قرآن میں اللہ سبحانہ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ:

''مجھ سے ڈرو، میں تمہیں علم عطا کروں گا اور مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور مجھ سے سوال کرو، میں تمہیں جواب دوں گا''۔

اللہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ تو اللہ کا ضرورت مند ہے لیکن اللہ کسی بھی احتیاج سے پاک ہے۔ اللہ ہر شے کو جانتا ہے اور بخوبی مکمل طور پر جانتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے علم عطا کر دیتا ہے۔ جتنا چاہتا ہے اتنا عطا کرتا ہے Consumer Producer Process اصل میں آپ کو ان باتوں کا علم حاصل کرنے سے روکنے کیلئے بنایا گیا ہے۔

کفر کا یونیورسٹی نظام، تعلیمی ذہن بنانے والے اداروں میں سب سے اوپر ہے اور ایک بہت بڑا بزنس ہے۔ ایک طرف تو یہ اس ذہنی غلامی کی تربیت کو مکمل کرتا ہے تا کہ تعلیم حاصل کرنے والے لوگ اس Consumer Producer Process کو کنٹرول کر سکیں اور اس طرح یہ نظام آگے بڑھتا رہے۔ اس کے علاوہ اس عمل میں یونیورسٹی کا نظام خوب کماتا بھی ہے۔ اسکے علاوہ یہ یونیورسٹیاں ان بیرونی ممالک کے طالب علموں کو بھی تیار کرتی ہیں جو ماضی کی نوآبادیاتی کالونیاں تھے لیکن اب بظاہر آزاد ہو چکے ہیں۔

یہ نظام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ان ملکوں پر حکومت کرنے والا طبقہ، ان یونیورسٹیوں سے ایسا ذہن لے کر جائے کہ اسی Consumer Producer Prosess کو ان ممالک میں بھی آگے بڑھائے۔ اس نئے طریقے کو غلام اور نوآبادیات بنانے کا نیا طریقہ (Neo-Colonialism) کہتے ہیں۔

۸۰-۷۰ سال پہلے یونیورسٹیوں کا تقریباً نام ونشان نہیں تھا۔ جو یونیورسٹیاں موجود تھیں ان میں بہت تھوڑے طلباء تھے اور ان کا مقصد واقعی علم کا حصول تھا۔ اگرچہ وہ اس وقت بھی صاحب اقتدار کے بچوں کو تعلیم دینے کے مقصد سے بنائی گئی تھیں۔ جب نئی یونیورسٹیاں بنیں تو پہلے پہل تو انہوں نے پہلے والی روش برقرار رکھی لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک بڑی تبدیلی ان یونیورسٹیوں میں نظر آنے لگی۔

اب دو نئے مقاصد سامنے آئے۔ ایک تو یہ کہ زیادہ سے زیادہ طالب علم بھرتی کیے جائیں تاکہ فیسوں سے بزنس کیا جاسکے اور دوسرا زیادہ سے زیادہ سائنس کو تدریس میں استعمال کیا جائے۔

ان مقاصد کو خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا گیا کہ ہر ایک کو اعلیٰ تعلیم کا حق حاصل ہے اور ملک وقوم کی ترقی اور حفاظت کیلئے ضروری ہے کہ ریسرچ کو آگے بڑھایا جائے۔ پہلی بات تو یہ کہ ڈگریوں کے حصول میں اعلیٰ تعلیم کا فقدان تھا اور ریسرچ عام طور پر بے مقصد تھی۔ اس بے مقصد ریسرچ کو یونیورسٹیوں میں اس لئے بھی رائج کیا گیا کہ اس طرح لوگ مصروف رہتے ہیں اور یونیورسٹیاں بغیر کچھ کئے گرانٹس اور آمدنی میں اضافہ کرتی رہتی ہیں۔ اس تبدیل شدہ پالیسی کے پیچھے حقیقت میں وہ اقتدار اور کنٹرول کی خواہش اور جنگ تھی جو تشکیلی چرچ اور Consumer Producer Process کے بانیوں کے

درمیان ماضی میں چل رہی تھی۔اس جنگ کو مؤخرالذّکر نے جیت لیا۔ بینک چرچوں سے زیادہ طاقتور ہو گئے اور بڑا سرمایہ کار، پادری سے زیادہ موثر ہو گیا۔سائنس نے ثابت کر دیا کہ زندگی سے متعلق عیسائیت کا نظریہ جس کی بنیاد تثلیث پر تھی، غلط ہے۔ یہ نظریہ تثلیث ویسے بھی حضرت عیسیٰؑ سے تعلق نہیں رکھتا تھا اور ان کے زمین سے اٹھائے جانے کے چار سو سال کے بعد معرض وجود میں آیا تھا۔لوگوں کو احساس ہو گیا کہ یہ محض ایک فسانہ اور جھوٹ ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جو معمولی سا علم سائنس اتنی تگ ودو کے بعد حاصل کر سکی، وہ قرآن سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ظاہر ہے قرآن جو خالق کائنات نے اتارا ہے اس میں حق کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔لیکن سائنس اور چرچ میں اصل جھگڑا علمی بنیادوں پر نہیں تھا۔ جھگڑا تھا کہ لوگوں پر اقتدار اور کنٹرول کس کو ملے۔نئی تعلیمی پالیسی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کا ذہن ایک خاص مقصد کیلئے تیار کرنا تھا۔

لوگوں کیلئے زندگی کا ایک ہی مقصد تجویز کیا گیا ہے۔چونکہ عیسائیت کو اپنے نظریات میں شکست ہو گئی تھی۔ زندگی کے سائنسی نظریہ کو قبولیت عام ملنے لگی۔ زندگی گزارنے کا طریقہ تبدیل ہونے لگا۔ چرچ خالی ہونے لگے اور کھیل کے میدان بھرنے لگے۔

اگرچہ بہت سے لوگ اب بھی خدا کو مانتے ہیں۔لیکن ان کے پاس کوئی رہنمائی موجود نہیں کہ اپنے ایمان کو نئی سائنسی حقیقتوں کے ہوتے ہوئے قائم رکھ سکیں۔زندگی کے بارے میں سائنسی نقطہ نظر اگرچہ سارے کا سارا حق نہیں ہے، لیکن اسے مطلقاً جھٹلانا یا نظر انداز کرنا ان کیلئے ممکن نہیں اور پھر Research (تحقیق) کا جادوئی

لفظ استعمال کیا گیا کہ جو کچھ بھی دریافت نہیں ہوا عنقریب دریافت ہونے والا ہے۔اب سائنسدان ایسے بہت سے سوالات کا جواب دینے میں کامیاب ہو گئے ،جن کا عیسائیت جواب نہ دے سکتی تھی اور یہ کہہ کر لوگوں کے منہ بند کر دیتی تھی کہ یہ غیب میں ہے اور یہ اتنا اہم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔یوں مغرب نے سائنس کو اپنا لیا اور عملی طور پر عیسائیت کو شکست ہو گئی۔عیسائی خدا کے وجود کو مانتے تھے لیکن زندگی کی حقیقت کی تشریح نہ کر سکتے تھے۔سائنس دان تھوڑا بہت زندگی کے بارے میں جان گئے تھے لیکن خدا سے اس کے تعلق کو واضح نہ کر پائے۔جونہی سائنسی نظریہ نے لوگوں میں قبولیت حاصل کر لی اس نظریہ کے حامل لوگوں نے تعلیمی اداروں پر کنٹرول حاصل کر لیا اور ریسرچ کا سارا رخ Consumer Producer System کی ترقی کی طرف کر دیا۔اس کے لیے ضروری تھا کہ ہر ایک کا ذہن اسی کی طرف مائل کیا جائے۔کیونکہ جب بہت سارے لوگوں کا ذہن ایک ہی طریقے سے بنایا جائے گا تو کنٹرول بہتر ہو جائے گا۔اب لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ زندگی کا مقصد اشیاء کی پیداوار اور پھر ان کا استعمال ہے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد طلباء کی تعداد بڑھ گئی تو تعلیمی اداروں میں پڑھانے والے اور ان کو کنٹرول کرنے والے بھی تبدیل ہو گئے۔

نئے آنے والے اساتذہ اور انتظامیہ نے Consumer Producer System کے اصولوں کو اپنا لیا اور اسی کی ترقی کیلئے سرگرم ہو گئے۔کچھ اساتذہ جنہوں نے اس تبدیلی کو بھانپ لیا تھا اور اس پر معترض تھے، وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنی نوکریاں چھوڑ کر احتجاج کر سکیں۔

وہ نظام کے اندر رہ کر نظام کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے اور باہر رہ کر تو تبدیلی اور بھی

مشکل تھی۔ پھر دوسرے مربوط دجالی نظاموں نے اس تعلیمی سیٹ اپ کی مدد کی تا کہ تبدیلی لانے والوں کو یا تو بے اثر بنا دیا جائے یا انہیں ختم کر دیا جائے۔ ہاں کسی حد تک اختلاف رائے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ کیونکہ جب لوگوں میں اختلافات ہوتے ہیں تو ان کو کنٹرول کرنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی توانائیاں ایک دوسرے سے جھگڑنے میں صرف ہو جاتی ہیں۔ البتہ جب کبھی بہت سے لوگوں نے مل کر نظام کی تبدیلی کی بات کی تو کافرانہ قانونی نظام آڑے آیا۔ ایک قانون بنا کر ایسے لوگوں کی سرگرمیوں کو غیر قانونی قرار دیا جا سکتا ہے اور جو کوئی اس انقلاب کے لیے مصر ہو اور مستقل مزاج ہو، اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے۔

اس کی بہترین مثال الجزائر کی ہے کہ وہاں جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ لیکن جب پوری قوم نے مل کر اسلامی قوانین اور شریعت کی بالادستی کے حق میں ووٹ دے دیا تو فوراً وہاں کی آرمی کو، جس کو فرانس کی حمایت حاصل تھی، مسلم حکومت کو ختم کرنے کیلئے اجازت دے دی گئی۔ یہ کہا گیا کہ اقلیتوں کی حفاظت کیلئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

جب یونیورسٹیوں اور کالجز میں طلباء کی تعداد بڑھ گئی تو ان اداروں کیلئے عمارتوں کی ضرورت پڑی۔ اس طرح یہ عمل بھی کچھ لوگوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنا اور یوں Consumer Producer System کو بڑھانے میں تقویت ملی۔ جیسے جیسے یونیورسٹیوں اور کالجز کا یہ نظام پھیلتا گیا مخصوص کافرانہ انداز فکر و عمل اپناتا گیا۔ اس عمل میں مشینیت آ گئی اور یوں یہ ایک اور فیکٹری بن گیا۔

استاد اور شاگرد کے درمیان ایسا تعلق ہو گیا کہ اگر استاد کو حقیقی علم آتا بھی ہو تو بھی اس کی منتقلی مشکل ہو گئی۔ طلباء کو صرف معلومات ملنے لگیں۔ ان معلومات کا اکثر حصہ بے کار

اور بے معنی تھا۔ جتنا کوئی طوطا بنتا گیا اتنا سمجھدار اور ہوشیار سمجھا گیا۔ دانشمندی کا لفظ اپنے معنی کھو بیٹھا۔ اس طرح پورے تعلیمی نظام پر کافرانہ دجالی رنگ غالب آ گیا۔

اگرچہ یونیورسٹی میں زندگی کو آزادی اور تجربے کا وقت خیال کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں سکول کی پابندیاں اور ماں باپ کی بندشیں نہیں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام بہت ہی ترتیب والا اور پابندیوں والا ہے۔ اس میں صرف اخلاقی پابندیوں کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ طلبا کو یونیورسٹی کی سیاست میں حصہ لینے کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ وہ ایک غیر موثر آواز بن کر یونیورسٹی کو چلانے والوں کا ساتھ دے سکیں۔ خاص طور پر اگر مسلم سٹوڈنٹس کا گروپ منظّم ہونے لگے تو انہیں کام کرنے اور کھیل کود کی خوب ترغیب دی جاتی ہے۔ تاکہ ان کی توانائیاں متحد نہ ہونے پائیں اور وہ خود کو ذہنی غلامی کیلئے تیار کر سکیں اور جب ڈگریاں حاصل کر لیں تو Consumer Producer System میں عمدہ روزگار کی تلاش کر سکیں۔ وہ ڈگریاں جن کا اس علم سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے، جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

اکثر طلباء کو تو یہ احساس بھی نہیں ہے کہ انہیں ایک ذہنی غلامی کیلئے تیار کیا جا رہا ہے۔ کچھ طلباء جن کو یہ آگاہی حاصل ہو جاتی ہے وہ یا تو خود کو اس نظام کے ساتھ چلنے کیلئے تیار کر لیتے ہیں یا پھر اس تعلیمی نظام سے باہر نکل آتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ حقیقی علم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آپ اس کافرانہ دجالی نظام کے اندر رہتے ہیں اور آپ کی مسلسل ذہنی غلامی کا عمل جاری ہوتا ہے، میڈیا اور تعلیم آپ کو اس کے متبادل کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔

یہ کافرانہ دجالی نظام ہے جو تعلیم اور میڈیا کے ذریعے سے کفر کی زندگی کا نظریہ

ہمارے ذہنوں میں مسلسل بٹھائے رکھتا ہے۔صرف وہی لوگ جو اس نظام کو رد کرنے کی خوبی رکھتے ہیں، وہ اس نظام کے پروپیگنڈا اور ذہنی غلامی سے نکل کر اسلام کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر انہیں حضرت محمد ﷺ کا طریقہ بھی سمجھ آنے لگتا ہے۔ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ اللہ سے درخواست کی کہ ''مجھے چیزوں کا حقیقی علم عطا کر'':

اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَاء

کافرانہ نظامِ ہسپتال:

اب آیئے دیکھتے ہیں کی کس طرح ہسپتال کے نظام کو کافر کنزیومر پرڈیوسر سسٹم نے ایک فیکٹری بنا دیا!

پچھلے پچاس سالوں میں کافرانہ ہسپتال کا نظام Consumer Producer System کا اہم جزو بن گیا ہے۔اس کا مقصد لوگوں کو اس حد تک صحت مند رکھنا ہے کہ وہ کام کرتے رہیں۔جن بیماریوں سے اس نظام کو واسطہ پڑتا ہے، ان میں اکثر کا تعلق لوگوں کے لائف سٹائل سے ہے جو لوگوں نے Consumer Producer System کے نتیجے میں اپنایا ہوا ہے۔کافرانہ نظام حیات اپنی بیماریاں خود پیدا کرتا ہے اور یوں اس کے ہسپتال میں کام کرنے والوں کے لئے کام کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ہسپتال کا نظام بھی تجارت کی طرز پر چلایا جاتا ہے۔اس طرح بہت سے لوگوں کا روزگار دوسروں کے بیمار پڑنے پر منحصر ہو گیا ہے۔

دجالی نظام کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ وہ کسی بھی زندگی کے شعبے میں غیر ضروری جاب اور بے فائدہ سرگرمیوں کو مسلسل پیدا کرتا رہتا ہے۔ یہ بات ایک فطری طرز زندگی اور

اسلامی حیات والی کمیونٹی کے بالکل برعکس ہے۔ ؂ اس طرح کے ماحول میں بھی بیماریاں آتی ہیں لیکن یہ لوگ اپنے بیماروں کا فطری طریقے سے علاج کرنا خوب جانتے ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ اس کام کو تجارت نہیں بناتے۔ چونکہ یہ دونوں قسم کے معاشرے (فطری اور اسلامی) فطرت کے مطابق زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، چونکہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا اور ان کے طرز زندگی میں اعتدال ہوتا ہے۔ ان معاشروں میں ویسی شدید بیماریاں نہیں ہوتیں جو کافرانہ معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔

اگر قلب پرسکون ہے تو پریشانی (Tension) کی وجہ سے ہونے والی اعصابی بیماریاں لاحق نہیں ہوں گی۔ اگر لوگ صحیح غذا کھائیں تو نظام ہاضمہ کی بیماریاں کہ جو بہت سی اور بیماریوں کو جنم دیتی ہیں نہیں ہوں گی۔ اگر لوگ حالات اور اشیاء کو سمجھ لیں اور قبول کر لیں اور انہیں پتہ ہو کہ یہ سب کچھ کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے تو نروس بریک ڈاؤن ہونے کے بہت کم مواقع رہ جاتے ہیں۔ زندگی بہت سادہ ہے۔ بس اس میں اعتدال کی ضرورت ہے۔ حضرت محمد ﷺ کو ایک مرتبہ مصر سے بہت مہنگی ادویات بھیجی گئیں۔ انہوں نے اس پیغام کے ساتھ انہیں واپس لوٹا دیا کہ میرا طریقہ زندگی اور سنت بذات ہی شفاء ہے۔ آپ میں اعتدال اتنے اعلیٰ نمونے کا تھا کہ آپ کی واحد بڑی بیماری اس وقت ہوئی جب دشمنوں نے آپ کو زہر دینے کی کوشش کی۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مفہوم کے مطابق اگر قلب ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے۔ لیکن اگر قلب بیمار ہو تو پورا جسم بیمار ہو جاتا ہے۔

قلب ہی انسانی زندگی کا مرکز ہے۔ یہ خود کو اور اللہ کو جاننے کا ذریعہ بنتا ہے اور جو بھی اپنے نفس کی معرفت حاصل کر لیتا ہے، اسے اللہ کا قرب نصیب ہو جاتا ہے۔

نبی ﷺ کی سنت کی پیروی میں زندگی گزارنے سے قلب کو نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ جب تک اللہ کی عبادت نہ کی جائے دل کو اطمینان نہیں مل سکتا۔ محض اللہ کے ذکر سے ہی قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۔ اللہ کی عبادت اور ذکر محض حضرت محمد ﷺ کے طریقہ پر ہی قابلِ قبول ہوتا ہے۔

کافرانہ تعلیمی نظام اور فیکٹری کی طرز پر کافر ہسپتال کا نظام بھی ایک پیداواری صنعت بنا دیا گیا ہے۔ چونکہ مشینی زندگی بڑھ گئی ہے۔ یہ صنعت انسانیت سے عاری ہوتی چلی جارہی ہے۔ میڈیکل سٹاف کو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مریضوں میں زیادہ دل نہ لگائیں کہ انہیں بہت سے مریض دیکھنے ہیں۔ انسانوں کے بجائے بے جان چیزوں کی طرح ٹریٹ کرنا آسان ہوتا ہے۔ چونکہ اس نظام کے چلانے والے اکثر یونیورسٹی سے تیار کردہ ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں، ان میں سے اکثر کے پاس صحیح طبی علم بھی نہیں ہوتا۔ اکثر علاج علامات کو دبانے کی حد تک ہوتے ہیں۔ ڈاکٹرنت نئی ادویات سے تجربات کرتے ہیں۔ ان ادویات کو پہلے جانوروں پر استعمال کیا جاتا ہے اور انسان کو بھی ایک جانور کی طرح ان تجربات کی نظر کر دیا جاتا ہے۔ نرسوں کا پیار بھرا رویہ البتہ ان کی میڈیسن کا ایک حصہ ہے۔ ڈاکٹر زندگی کی حقیقت سے دور ہونے کی وجہ سے اس طرح کے تجربات کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ غذا اور معتدل زندگی گزارنے سے بیماریوں کا علاج کرنے سے واقف نہیں۔ ماڈرن ڈاکٹر اس طرح کے خیالات کو عطائیت سمجھتا ہے اور اس کی بجائے اکیسویں صدی کی بظاہر حیرت انگیز ادویات کو استعمال کرتا ہے۔ وہ ادویات جن سے اس کے مریضوں کا دفاعی نظام تباہ ہو جاتا ہے اور وہ یوں مزید بیماریوں کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔

وہ ہومیوپیتھی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ پرانی حکمت کے اصولوں

کو بھی نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ کافر قانونی نظام سے لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کافر میڈیکل نظام کو اپنائیں۔ جب تک یہ ڈگریاں کسی شخص کے نام کے ساتھ نہ لکھی ہوں، اسے میڈیکل پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ حتٰی کہ اگر اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹر بھی حکمت کے اصولوں کو اپنانا شروع کریں تو انہیں غدار قرار دے دیا جاتا ہے اور انہیں قانون کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے برطانوی راج میں عربی، فارسی، اردو اور قرآن کے علماء کو اس لیے جاہل قرار دیا گیا کہ انہیں انگریزی نہیں آتی تھی۔ یعی طور پر یہ دجالی کافرانہ نظام کی خاص حکمت عملی ہے۔ جب کبھی بھی کوئی متبادل نظام کافرانہ نظام کی اصلیت کو سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے یہ دجالی نظام اسے غیر قانونی قرار دیتا ہے اور قانون کی ساری طاقت اس بات پر لگائی جاتی ہے کہ اگر چہ آپ کافرانہ طریقہ زندگی سے اختلاف تو کریں لیکن اسے بنیاد سے تبدیل کرنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

جہاں تک جراحیات (Surgery) کا تعلق ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید ٹیکنالوجی اور جنگ عظیم کے بعد کی دریافتوں کی وجہ سے بہت سی زندگیاں وقتی طور پر بچالی جاتی ہیں اور بہت سے طبعی امراض میں مدد ملتی ہے۔لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ اس طرح کے زیادہ تر آپریشن یا تو ضرورت کے بغیر کر دیے جاتے ہیں یا ان بیماریوں کا علاج کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں جو ماڈرن کافرانہ لائف سٹائل کے نتیجہ میں لوگوں کو لاحق ہو رہی ہیں۔اگر لوگوں میں اعتدال اور فطری زندگی ہو تو ان آپریشن کی اول تو ضرورت ہی نہ پڑے۔ بہت سے آپریشن تو اس لیے ضروری نہ ہوں گے کہ ان کی ٹیکنیک کی مشق کرنی ہوتی ہے اس لئے وہ کیے جاتے ہیں۔اگر جنسی انارکی سے پرہیز کرلیا جائے تو لاکھوں کی تعداد میں کیے جانے والے اسقاطِ حمل کے آپریشنز کی ضرورت نہ رہے۔اگر موت کی حقیقت سے

واقفیت ہوتو بہت سے بوڑھے مریض فطری طریقہ پر موت کو پسند کریں نہ کہ ایک بڑا آپریشن کروا کے چند دن اس طرح مصنوعی طور پر زندگی گزاریں کہ بیماری سے نجات پھر بھی نہ ہو۔

آپریشن تھیٹر میں مریض بھی ایک تجرباتی جانور کی طرح ہوتا ہے۔ کیا یہ ٹھیک کام کرے گی، چلو آپریشن کر کے دیکھتے ہیں۔ احادیث میں دجال کی ایک بات یہ نظر آتی ہے کہ وہ انسان کو دو حصوں میں تقسیم کرے گا اور ایسے لگے گا کہ وہ مر گیا ہے اور پھر اسے دوبارہ جوڑ دے گا اور اس شخص میں زندگی آجائے گی۔ یہ بات آپریشن تھیٹر میں ہونے والے بعض آپریشنوں پر صادق آتی ہے؛ اس کے علاوہ کافر زندگی کے نتیجہ میں ہونے والی ایک بیماری، شیزوفرینا پر بھی صادق آتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے اچھے سرجن اور اچھے سٹاف کی قابلیت کی وجہ سے بہت اچھے آپریشن بھی ہوتے ہیں اور اچھے ڈاکٹر آج بھی لوگوں کے علاج میں مدد کرتے ہیں اور بہت سی مفید دریافتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کافرانہ دجالی نظام کی ضمنی نظاموں میں بعض اوقات بہت اچھے، قابل اور سمجھدار لوگ مل جاتے ہیں جو انسانوں کیلئے مفید کام بھی کرتے ہیں۔ اس لیے نظام کی خرابی کو لوگوں کی خرابی کے برابر قرار نہیں دینا چاہیے۔ زندگی ایک سیکھنے کا عمل ہے اور جو کوئی علم کی تلاش کرتا ہے اسے پالیتا ہے حتیٰ کہ فرعون کی بیوی آسیہ بھی ایک ایمان والی خاتون تھی۔

نفسیاتی بیماریاں:

جس جہالت سے نفسیاتی ڈاکٹر اپنے مریضوں کا علاج کرتے ہیں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ ڈاکٹر زندگی کی حقیقت سے اور انسان کے اندر کی حقیقت سے لاعلم

ہیں۔اس لئے یہ انسان کے اندر کی اور نفسیاتی بیماریوں کا علاج کرنا نہیں جانتے۔ چونکہ ان کو معلوم نہیں کہ اصل نارمل کیا ہے۔اس لئے ان کا ابنارمل (Abnoramal) کے بارے میں نظریہ بھی درست نہیں۔ان کو انسانی جسمانی نظام کا تھوڑا سا پتہ ہے اور اس تھوڑے سے علم کی وجہ سے وہ نفسیاتی بیماریوں کا علاج ذہن کو ظالمانہ طریقے سے کبھی دوائیوں کے ذریعے اور کبھی بجلی کے جھٹکے دینے کو سمجھتے ہیں۔حتٰی کہ دماغ کے کچھ حصے کو آپریشن یا لیزر کے ذریعے ختم کر دیتے ہیں۔یہی بات کہ کافر نفسیات دان سارا زور دماغ پر دیتے ہیں۔ان کی جہالت کی غمازی کرتا ہے۔انہیں معلوم ہی نہیں کہ اصل کام کرنے کی جگہ تو دل ہے۔اس دل کو صحیح سکون قرآن کی تلاوت سے ملتا ہے اور جب دل میں سکون ہوتا ہے تو دماغ کو بھی سکون ملتا ہے۔ایک وجہ کافر نظام میں پاگل پن کی یہ ہے کہ وہ دماغ کے بل پر زندگی کی حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں۔جبکہ صرف دل کے ذریعے اس حقیقت تک پہنچا جاسکتا ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دل کی مثال سورج کی سی ہے اور دماغ کی مثال چاند کی جیسے چاند کی اپنی روشنی نہیں ہوتی بلکہ وہ سورج سے منور ہوتا ہے۔ایسے ہی دماغ اس وقت روشن ہو جاتا ہے جب قلب اللہ کی یاد سے منور ہو۔

غالبًا سب سے بڑی غلطی جو کافر نفسیات دان کرتا ہے کہ وہ ایک سراب کو حقیقت سمجھتا ہے۔ہمارا وجود اصل میں ایک سراب ہے۔وہ ہماری سوچ کو اور دوسروں کی سوچ کو ایک حقیقت سمجھتا ہے۔اہل حق کے نزدیک ہماری سوچوں کے وجود کی حیثیت سراب کی سی ہے۔جو کچھ ہم خیال کرتے ہیں وہی حقیقت لگتی ہے۔گویا جب خیال اور سوچ کا عمل رک جائے تو حقیقت گم ہو جائے گی۔لیکن اگر کوئی چیز حق اور سچ ہے تو اسے گم نہیں ہونا چاہیے۔اسے ہمیشہ موجود ہونا چاہیے۔جیسے اللہ کی ذات کہ جس طرف بھی دیکھو، جہاں بھی

دیکھو اور دیکھو یا نہ دیکھو وہ موجود ہے۔ بلکہ یہ زندگی کا سراب اصل میں اللہ کی روشنی کو براہ راست مشاہدہ کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اسی کو کفر کہتے ہیں کہ انسان کے کام اللہ کے نور تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جائیں۔ سراب کو حقیقت سمجھ کر حقیقت کو نظر انداز کر کے کافر نفسیات دان کبھی بھی نفسیاتی بیماریوں کا علاج نہیں کر سکتا۔

جو کچھ بھی وہ علاج کے طور پر تجویز کرتا ہے اصل میں بے اعتدالیوں پر ایک اور بے اعتدالی ہوتی ہے۔ تاریکیوں پر ایک اور تاریکی ہوتی ہے۔ اندر کے پاگل پن پر ایک ظاہری نارمیلٹی (Normality) کا دباؤ ہوتا ہے۔

مومن ڈاکٹر اور اس کا مطلب وہ مسلم ڈاکٹر نہیں جو کافرانہ تعلیمی نظام کی چکی میں ذہنی طور پر مرعوب ہو چکا ہے۔ بلکہ صحیح مومن ڈاکٹر جانتا ہے کہ اس سراب کو ختم کرنا ہے تا کہ زندگی کی حقیقت کو پایا جا سکے۔ یہ حقیقت صرف دل کے تزکیہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ تزکیہ صرف اللہ کے ذکر اور اس کے فضل سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہ اندرونی تزکیہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب بیرونی رویوں اور اعمال میں پاکیزگی آجائے۔

یہ اندرونی اور بیرونی تزکیہ صرف حضرت محمد ﷺ کے طریقہ زندگی میں ہے۔ اسی طریقے سے دل کا تزکیہ بھی ہو سکتا ہے اور انسان اپنے نفس کو اور اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے اور اصل میں خود کو پہچاننا رب کے پہچاننے کی طرف ہی لے جاتا ہے۔

اس علم تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ کافرانہ تعلیمی نظام کی ذہنی چکی میں پسنے سے خود کو بچا لیا جائے کیونکہ یہ ذہنی مرعوبیت اسی وقت ممکن ہو جاتی ہے جب ہم اور ہمارا ذہن اس سے متاثر ہو کر خود کو اس کی کنڈیشننگ اور پروگرامنگ کے حوالے کر دیتا ہے۔

کافر نفسیات دان ڈاکٹر کی نارمل انسان کی تعریف میں کچھ گہرائی نہیں، یہ محض

تصوراتی تعریف ہے۔اصل میں نارمل کیفیت یہ ہے کہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرلیا جائے اور یہ تسلیم پیغمبروں کے طرز زندگی پر زندگی گزارنے سے مکمل ہوتی ہے۔حضرت محمد ﷺ کا طریقہ تمام پیغمبروں کے طرز زندگی کا عروج ہے۔آپ کا طریقہ بذاتہی حق ہونے کا ثبوت ہے۔جو آپؐ کے طریقہ پر چلتا ہے اس کا جسم بھی صحت مند ہوگا اور دل میں بھی سکون ہوگا۔

کافر میڈیکل پیشہ کے قائدین کی جہالت اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے پاس ان بیماریوں کا علاج نہیں ہے جو Consumer Producer Process اور اس کی وجہ سے آنے والے طریقہ زندگی کی وجہ سے جنم لے چکی ہیں۔ جب بیماری ظاہر ہو جاتی ہے تب اس پر توجہ دیتے ہیں۔وہ ان وجوہات پر توجہ اور غور نہیں کرتے جن کی وجہ سے بیماری آرہی ہے۔زندگی اصل میں ایک کیمیائی مساوات کی طرح ہے۔ایک خاص ترکیب، اجزا اور حالات سے جو کچھ ہوتا ہے وہی ہوگا۔اگر کافرانہ لائف سٹائل کو اختیار کریں گے تو نتیجہ کافرانہ بے چینی ہوگی اور پروڈکٹ اصل میں جہنم کے لیے بنے گا اور اگر نبی ﷺ کے طریقے سے چلیں گے تو سکون پیدا ہوگا اور پروڈکٹ جنت کے لیے بنے گا۔اس مساوات کی حقیقت کا بیان صرف قرآن میں موجود ہے۔یہ 'الف' سے 'ے' تک حقیقت کا بیان ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کا بیان ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ قرآن میں شفا ہے جس شے کی بھی ضرورت ہو اسی سے لو۔

جس دل کے اندر قرآن نہیں وہ ایک کھنڈر عمارت کی طرح ہے، وہ ایک مردہ شخص کی طرح ہے۔چونکہ کافر ڈاکٹر کی قرآن تک رسائی نہیں اور اگر ان کے سامنے اسے پیش بھی کیا جائے تو وہ اسے رد کر دیتے ہیں۔وہ غلطی اور کوشش کی بنیاد کو ہی ترقی اور آگے بڑھنے کا

ذریعہ سمجھتے ہیں۔حالانکہ ماڈرن میڈیسن کا جو بھی صحیح حصہ ہے اس کو ماضی کے مسلمان ڈاکٹروں کی تحقیقی کاوشوں سے لیا گیا ہے اور ان ڈاکٹروں کے علوم کا ماخذ قرآن تھا۔ کافر ڈاکٹر حادثاتی طور پر جو کچھ دریافت کرتے ہیں وہ پہلے سے قرآن میں موجود ہے لیکن ان کا یہ دریافت کردہ علم بہت سطحی ہوتا ہے اس لئے کہ وہ قرآن کی پیروی نہیں کررہے۔

کافرانہ فیکٹری اور کافر تعلیمی نظام کی طرح کافر میڈیکل نظام کا تعلق بھی محض پیسے اور دولت سے ہے۔اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ لوگوں کو اس سے صحت ملتی ہے یا نہیں۔ لوگوں کا اس سے بھلا ہوتا ہے یا نہیں۔یہ ایک بہت بڑی تجارت ہے،ادویات اور آلات بنانے کی تجارت اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کا روزگار اس سے وابستہ ہے۔اب یہ عام طور پر نئے میڈیکل کالج کے طلباء سے سننے میں آرہا ہے کہ کیسے وہ ڈاکٹر بن کر کمائی کریں گے اور تعلیم پر اپنی خرچ کی گئی رقم واپس لیں گے۔ان کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ نہیں کہ وہ کتنے لوگوں کا علاج کر کے ان کو خوشیاں دیں گے اور سب سے بڑھ کر وہ علاج کے صحیح ذرائع حاصل کرنے کے بارے میں بالکل نہیں سوچتے۔

کافرانہ میڈیکل سسٹم کافر صارف آجر نظام کا بہت ہی ضروری حصہ ہے۔ یہ کوالیفائیڈ لوگوں کی قدر کرتا ہے۔اصل میں یہ کافر سسٹم کی مجموعی کارکردگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اس کے قائدین کو کافر نظام میں بہت اثر دیا گیا ہے۔یہ کافرانہ میڈیکل نظام آج سے سو سال پہلے موجود نہیں تھا۔اب یہ دنیا کے تقریباً ہر کونے میں پہنچ چکا ہے۔

قانونی نظام:

وہ نظام جس سے کافرانہ فیکٹری، تعلیمی، میڈیکل بلکہ سارے نظام قوت پاتے

ہیں اور عملاً آگے بڑھ سکتے ہیں وہ کافرانہ قانونی نظام (Legal System) ہے۔ یہ باقی نظاموں کے درمیان رابطے کی رسی ہے۔ یہ کافر نظام کا دل ہے۔ یہی نظام باقی نظاموں کو واضح کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو بتاتا ہے کہ انہوں نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور اگر کوئی متبادل نظام یا خیال کی بات کرتا ہے تو یہ اس کو قانونی طریقے سے بے اثر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ یا تو متبادل سوچ کو غیر قانونی قرار دے دیتا ہے۔ یا اس کو محدود کر دیتا ہے۔ یہ کافر قانونی نظام لوگوں پر حکم چلاتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ وہ کس قسم کے رویئے رکھیں اور ملک کے شہریوں کی زندگیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ کوئی بھی شخص اگر اس قانونی نظام سے بے توجہی برتے یا اس کی مخالفت کرے تو وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کافر قانونی نظام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ Consumer Producer Process بغیر کسی رکاوٹ کے آگے بڑھتا رہے۔

اس کا لازمی نتیجہ ایک پولیس سٹیٹ ہے۔ جس میں معاشرہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک شکاری اور دوسرا شکار۔ کافر پولیس فورس کو بہت زیادہ اختیارات دیے جاتے ہیں اور ان اختیارات کے استعمال کی کھلی اجازت دے دی جاتی ہے۔ حقیقت میں قانون کے نام پر پولیس کے یہ لوگ وہ کچھ کر سکتے ہیں جو کوئی اور کرے تو مجرم قرار دیا جائے۔ ان کو اسطرح کے کاموں کا معاوضہ بھی دیا جاتا ہے اور یہ معاوضہ اسی عوام کے ٹیکسوں سے دیا جاتا ہے جن پر یہ پولیس ظلم کرتی ہے۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اگر پولیس نہ ہو تو افراتفری پھیل جائے، بدامنی پھیل جائے، انارکی پھیل جائے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ کافر ملک میں کافروں کے درمیان تو واقعی افراتفری پھیل جائے گی، لیکن صحیح مسلمانوں کے

درمیان پولیس نہ ہونے کی وجہ سے کوئی افراتفری نہیں پھیلے گی۔ اسلام کی پیروی کرنے والا ہر شخص مرد یا عورت اپنے لیے خود پولیس ہے۔ بجائے دوسروں پر حکم چلانے اور ظلم کرنے کے، مسلمان کی نگاہ اپنے اوپر ہوتی ہے۔ مسلمان خود پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔ پھر اسلامی معاشرے میں جرم کی وجوہات اور اسباب کی افزائش نہیں کی جاتی، جیسا کہ کافر سوسائٹی میں کی جاتی ہے۔ اور بالکل کافر میڈیکل نظام کی طرح کافر قانونی نظام کی اکثر بیماریاں اور جرائم براہِ راست اس کافرانہ طرزِ زندگی (Lifestyle) کا نتیجہ ہیں، جو اس نظام کے اندر کام کرنے والوں کی کنڈیشنگ کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔

کافر یعنی دجالی نظام لوگوں کے لیے بے ضرورت کام ڈھونڈتا ہے تاکہ لوگ مصروف رہیں اور پھر ان غیر ضروری کاموں سے پیسہ بناتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض پولیس کے لوگ بھی بہت اچھے اور کام کے ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ہمیشہ اور ہر نظام میں مفید ہوتے ہیں۔ جس طرح کافر میڈیکل سسٹم کے لوگ ایک تعلیمی ذہنی کنڈیشننگ کا شکار ہوتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ قانون کے اداروں میں کام کرنے والے لوگوں کی کنڈیشننگ کی جاتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم ایک چھانٹی (Screen) کرنے کا طریقہ ہے۔ جو لوگ اس قانونی نظام کو ذہنی طور پر پسند نہیں کرتے انہیں شروع ہی میں روک لیا جاتا ہے۔ صرف انہی لوگوں کو آگے بڑھنے دیا جاتا ہے جو اس نظام کو مضبوط کرنے والے اور سہارا دینے والے ہوتے ہیں۔ پھر انہیں بڑے بڑے عہدوں اور اختیارات کی جگہوں پر فائز کیا جاتا ہے۔ اگرچہ گواہی سے پہلے، شہادت سے پہلے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن قانونی اداروں میں کام کرنے والے اکثر لوگ یا تو خوفِ خدا نہیں رکھتے اور یا پھر سرے سے خدا کو مانتے ہی نہیں۔ اگر انکا یقین ہوتا یا وہ خوفِ خدا رکھتے تو معاملہ ہی مختلف ہوتا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک عام کیس جس طرح پیش کیا جاتا ہے، وہ قیامت اور روزِ جزا کا ایک مبہم سا خاکہ پیش کرتا ہے۔ جج بالکل خدا کی طرح عمل کرنے اور خدا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس عمل کو فراموش کر دیتا ہے کہ ایک دن اسے خود اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے۔

پچھلے ۱۰۰ سالوں میں قانونی نظام میں اور اس کے طریقہ کار (Procedure) میں جو تبدیلیاں آئی ہیں انکا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر پوری دجالی چھاپ لگ چکی ہے اور مسلسل لگ رہی ہے۔ آج یہ نظام مکمل طور پر بے شرمی اور ڈھٹائی سے لوگوں کا استحصال کر رہا ہے اور ان کو کنٹرول کر رہا ہے۔ اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ قانون ایک انصاف پسند معاشرے کے قیام کے لیے بنایا جا رہا ہے، مگر حقیقت میں یہ محض کنزیومر پروڈیوسر سسٹم کو چالو رکھنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ پھر اس میں آہستہ آہستہ مسلسل تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں تاکہ لوگوں کو بتایا جاتا رہے کہ ہم ترقی اور بہتری کی طرف جا رہے ہیں۔ کافرانہ میڈیکل سسٹم کے ماہرین کی طرح کافر قانونی ماہرین بھی زندگی کی حقیقتوں سے ناآشنا ہیں۔ وہ غیر حقیقت کو سچ (Reality) سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور حق کا صریحاً انکار کرتے ہیں۔ اصل میں وہ حق کا سامنا کرنے سے بھی گھبراتے ہیں۔ سماجی نظام کے بارے میں انکی سوچیں، آراء اور تراکیب محض خیالی اور افسانوی (Imaginary) ہیں۔ ان کو کسی معاملے میں بھی یقین کی کیفیت حاصل نہیں۔ اس لیے ان کے بنائے ہوئے قوانین بھی اپنے بتائے گئے مقاصد کو حاصل نہیں کر پاتے۔ مثلاً انسانی حقوق کے لیے بنائے جانے والے قوانین کی آڑ میں انسانوں پر ظلم و ستم جاری ہے۔ اصل میں انسانی حقوق کا نعرہ بلند اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو کہ ہم ایک انصاف پسند معاشرہ بنانے کی تگ و دو

میں ہیں۔لیکن وہ اصل میں سچ مچ ایک انصاف پر مبنی معاشرہ بنانے کی کوشش نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صرف ایک نعرہ ہوتا ہے!

آج کی سماجی ٹوٹ پھوٹ کا واحد علاج محض اسلام ہے۔کافر نظام اس ٹوٹ پھوٹ کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔نو آبادیاتی نظام کا ایک فائدہ یہ بھی اٹھایا گیا کہ یہی دجالی کافرانہ قانونی نظام دنیا کے بیشتر ملکوں میں رائج کر دیا گیا۔نو آبادیات بننے سے پہلے ان ممالک کے نظام کسی حد تک قرآن وحدیث کے مطابق چلائے جاتے تھے۔لیکن آج شاید ہی کوئی ملک اس دجالی قانونی نظام کی گرفت سے باہر ہو۔تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جو قوم بھی قرآن کی ہدایت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کو اپناتی ہے تو تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔اور قرآن کی ہدایت کو اپنانے سے وہ سرخرو ہو جاتی ہے۔

قرآن کے حوالے سے جب تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ لوگ ہر دور میں کفر اور ایمان کے درمیان ڈگمگاتے (Fluctuate) رہے ہیں۔زیادہ تر لوگ مومن ہوئے اور کبھی زیادہ تر کافر ہوئے۔یہی اونچ نیچ زندگی کی حقیقت ہے۔یہی حق و باطل کی جنگ ہے جو اللہ نے دنیا میں ظاہر کی ہے۔چونکہ ہر چیز کا ایک الٹ موجود ہے۔اور چونکہ ہائی ٹیک مغرب نے پیغمبرانہ زندگی کو کئی صدیوں سے ترک کیا ہوا ہے۔مغرب میں اسلام کا سورج طلوع ہونا نہ صرف لازمی ہے بلکہ اس کفر کا واحد علاج ہے۔اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی صرف اللہ ہی مستقبل کو جانتا ہے۔لیکن لگتا ہے کہ اسلام موجودہ کفر کے معاشرے میں پھلے پھولے گا۔

پچھلے پچاس سالوں میں بہت زیادہ قوانین اور اختیارات بنا دیے گئے ہیں۔انسانوں کو کبھی بھی ماضی میں اتنا پابند اور کنٹرول نہیں کیا گیا۔ذرا سی قانون شکنی سے

لوگوں کو بڑی بڑی سزائیں دی جاتی ہیں۔حتٰی کہ ان سے اگر کسی کو مالی یا جانی نقصان نہ بھی ہوا ہو، تب بھی سزائیں دی جاتی ہیں۔اگر الزام نہ بھی لگے تب بھی کسی شخص کو مجرم ٹھہرایا جا سکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ وہ شخص عام سمجھ بوجھ/عقل عامہ ونفسیات کے مطابق کام کر رہا تھا پھر بھی سزا دی جاتی ہے۔کسی ملک میں جتنے زیادہ قوانین ہونگے اتنے ہی زیادہ مجرم ہونگے۔جتنے زیادہ مجرم ہونگے اتنا قانون کے اداروں میں کام کرنے والوں کو کام ملے گا۔اگر کسی کیس میں ملوث شخص نے مالی یا جانی نقصان کی تلافی کر بھی دی ہو تب بھی اس کو سزا دی جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر قانونی نظام محض انصاف کے لیے نہیں، بلکہ وہ خود ایک بت بن گیا ہے کہ جس کے خلاف چلنے والوں کو سزا ضرور ملنی چاہیے۔

کافرانہ قانونی نظام معاشرے میں توازن (Balance) کے لیے نہیں بلکہ ظالم اور مظلوم کے درمیان غیر یکسانیت پیدا کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔یہ ان کی حمایت کرتا ہے جو نظام کو کنٹرول کرتے ہیں۔ایسا نظام لوگوں کو کنٹرول میں رکھنے اور انکا استحصال کرنے کے لیے ہی تو بنایا گیا ہے۔اکثر قوانین اس لیے بنے ہیں کہ لوگوں کا آپس میں اعتماد کا رشتہ ختم ہو گیا ہے۔ہر کوئی دوسرے سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ایسے لوگوں کو قرآن میں مُطَفِّفِیْن کہا گیا ہے، جو کم تولتے ہیں اور لوگوں کو کم دیتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں۔لیکن جونہی قوانین منظرِ عام پر آتے ہین ان قوانین میں سقم تلاش کر لیے جاتے ہیں۔جسکا مطلب ہے مزید قوانین بنائے جائیں گے۔اور چونکہ قانون بنانے والے ہی قانون شکنی کرتے ہیں۔یہ عجب نہیں کہ وہ قانون بناتے ہوئے کچھ راستے (Loop Holes) اپنے جیسے لوگوں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔مثال کے طور پر قرآن اور بائبل دونوں میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

یہی عدالتیں نہ صرف سود کو جائز قرار دیتی ہیں بلکہ بسا اوقات اس پر زور بھی دیتی ہیں۔

ایک تو قوانین پر قوانین بنائے جارہے ہیں ۔ دوسرا ماضی کے مقدموں کی نظیر (Precedence) پر مقدمے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ماضی جیسے حالات ہونگے تو وہی فیصلہ ہوگا جو ماضی میں کیا گیا تھا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی بھی حالت دوسری حالت سے مطابقت نہیں رکھتی اور پھر فیصلوں میں ذاتی مفاد یا عناد و عصبیت بھی آجاتی ہے۔ آجکل کے جج کو ماضی کے جج کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرنا پڑتا ہے جبکہ ماضی میں زندگی اور رویے آج کی زندگی اور رویوں سے مختلف تھے۔

واحد طریقہ اس بات سے چھٹکارے کا یہ رکھا گیا ہے کہ الفاظ کے فریب اور ذہانت کی بے ایمانی سے یہ ثابت کردیا جائے کہ آج کی حالت پہلی حالت سے مختلف ہے اور یوں ایک مختلف فیصلہ کروالیا جائے، جس کا نتیجہ مستقبل میں کسی اور مقدمہ میں الجھن اور مشکلات پیدا کرے۔ ان قوانین، پابندیوں اور ماضی کی نظیروں کا نتیجہ یہ ہے کہ قانون ایک گورکھ دھندھا بن گیا ہے۔ جسے صرف وہی قانونی ماہر سمجھ سکتا ہے جو ان بھول بھلیوں میں ساری زندگی گزار چکا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ پیچیدگیاں اتنی زیادہ ہیں کہ کسی ایک شعبے کی پیچیدگیوں (Complexities) کو سمجھنے کے لیے ایک سپیشلسٹ بننا ضروری ہے اور پھر نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب فیصلے کمپیوٹر کے ذریعے ہونے لگیں گے! اس پیچیدگی کو قانون کی مشکل زبان دیکر اور بھی مشکل کردیا گیا ہے۔ اسکا مطلب ہے کہ اس پیچیدہ تر پیچیدہ قانون کے لیے قانونی ماہرین کا ساتھ ہونا لازمی ہوگیا ہے۔ یہ صورتِ حال ایک اسلامی معاشرے سے بالکل مختلف ہے۔ اصل میں اسلامی معاشرے کو ایک اور قانونی

نظام بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہر شے قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور قرآن میں چونکہ رشد و ہدایت کا مکمل نظام موجود ہے، اسے تبدیل کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

پچھلی کئی صدیوں سے قانون بنانے والے جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ پہلے سے ہی اس میں موجود ہے۔ چونکہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کے رویوں اور انکے مسائل کا حل بہت سادہ اور پُر وقار طریقے سے اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس لیے قانونی گتھیاں سلجھانے کے لیے کسی قانونی ماہر کی بھی ضرورت نہیں۔ لوگ خود ہی قرآن و حدیث کے مطابق چلنا چاہتے ہیں اور چل سکتے ہیں۔ جب تک وہ اللہ اور اسکے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے ہوں اور روزِ جزا سے ڈرتے رہیں وہ نہ کسی کے لیے خطرہ ہیں اور نہ کوئی ان کے لیے خطرہ ہے۔ اسلام کا طریقہ اسی کے لیے ہدایت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔

زندگی کی حقیقت کا ایک راز یہ ہے کہ جو کچھ آپ کے دل میں ہو وہ سچ مچ آپ کے سامنے آ جائے۔ چونکہ کافر کے دل میں فساد ہوتا ہے۔ اسکی زندگی میں بھی فساد آ جاتا ہے۔ کافر اس باہر کے فساد کو ختم کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ لیکن چونکہ اندر کے فساد باقی ہوتا ہے۔ باہر کا فساد باوجود کوشش کے ختم نہیں ہوتا اور ایک کے بعد دوسری شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چونکہ مومن کے دل میں اطمینان اور سکون ہوتا ہے۔ وہی مومن کی ظاہری زندگی میں نظر آنے لگتا ہے اور یوں اسلام نافذ ہو جاتا ہے۔

اور صحابہ کے دلوں کو تبدیل کرنے کا واحد طریقہ حضرت محمد ﷺ کی سنت اور طریقہ زندگی تھا۔ مدینہ کی بستی کے لوگوں کے دل اس وقت اللہ کی محبت اور معرفت سے منور ہو گئے تھے۔ اس طرح انہیں کسی قسم کے جعلی کافرانہ قانونی نظام کی ضرورت نہیں تھی۔

اسلام ایک نظام نہیں بلکہ طریقہ زندگی ہے۔ وہ ممالک جو نوآبادیاتی نظاموں کے

تحت اس وقت کافرانہ قانونی نظام چلا رہے ہیں خود کو محض اس لئے مسلم نظام نہیں کہلوا سکتے کہ انہوں نے تھوڑا بہت قرآن وحدیث اپنی قانونی زبان میں شامل کرلیا ہے۔ایک حقیقی مسلم ملک میں کافرانہ پارلیمنٹ کی گنجائش نہیں۔قرآن ہی ان کا دستور ہے۔کافرانہ پارلیمنٹ کا مطلب ہے کافرانہ دستورساز ادارہ (Legislative Body)۔اس لیے کہ قرآن دستور (Legislation) کے طور پر پہلے سے ہی موجود ہے۔

اللہ نے قرآن میں فرمادیا ہے کہ دین میں جبر (Compulsion) نہیں۔ جب آپ کو حق کا راستہ مل جائے تو دوسرے راستے چھوڑ دیں۔صرف مسلمان کہلوانا کافی نہیں۔مسلم ہونا بھی ضروری ہے یعنی خود کو اسلام کے تابع کرنا اور زندگی کے مقصد کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔حضرت محمد ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے محفوظ رہیں۔فرمایا کہ مسلمان ان دو ہاتھوں کی طرح ہیں جو خود کو دھوتے رہتے ہیں۔جب تک آپ دوسرے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو آپ مسلمان نہیں ہو سکتے اور اس وقت تک مومن نہیں کہ جو اپنے لیے چاہتے ہو اس کو دوسروں کے لئے ترجیح دینا شروع کردو۔اگر پیٹ بھر کر کھانا مل جائے اور ہمسایہ بھوکا رہے تو پھر تم مسلمان نہیں۔

اگر کسی کمیونٹی کے مسلمانوں کی زندگی کی یہ روِش ہو تو بس وہ اللہ کی نگاہ میں قانون پسند شہری ہیں۔لیکن وہ قانون جو اللہ کا ہے نہ کہ انسان کا بنایا ہوا۔یہ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کی عبادت کی بنیاد پر کوئی معاشرہ کھڑا ہو۔

کافر قانونی نظام میں قوانین بناتے ہوئے اور جرائم کی تشریح کرتے ہوئے مرنے کے بعد کی زندگی کا خیال نہیں ہوتا۔لیکن مسلم کمیونٹی میں جو چند جرائم واضح کیے گئے

ہیں، ان کے ضمن میں موت کے بعد زندگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں جن جرائم کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق معاشرے سے ہے کہ اگر ان جرائم کی کھلی اجازت دے دی جائے تو معاشرے کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ زنا صرف اس لیے جرم نہیں کہ اس میں دھوکہ دہی اور بے وفائی ہے بلکہ اس سے خاندان اور معاشرے میں تباہی آتی ہے۔ اس جرم کی پاداش میں سزا پانے کے لئے جتنے چشم دید گواہوں کی ضرورت ہے۔ وہ چار ہیں تا کہ سزا دیتے ہوئے کسی قسم کا شبہ نہ رہے اور جب کسی پر زنا کی تہمت لگائی جائے اور گواہ نہ لایا جائے تو اس تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں۔ یہ کافر قانونی نظام کے بالکل الٹ ہے کہ جس میں ایک شخص کو الزام دے کر تھوڑے سے حالات کی شہادت پر کئی کئی سزائیں دے دی جاتی ہیں اور تقریباً ہمیشہ اس میں ایک گواہی پولیس کی ہوتی ہے۔

پولیس کے لوگ اپنے ریکارڈ میں ملزموں کے انٹرویو کو اس طرح قلمبند کرتے ہیں کہ وہ عدالت میں ملزم کے خلاف گواہی بن جاتی ہے۔ جہاں ٹیپ بھی کیا جاتا ہے وہاں بھی بات اس طرح کی جاتی ہے کہ بعد میں تھوڑی سی ترمیم سے ملزم مجرم ثابت ہوسکتا ہے۔ جہاں ملزم اور پولیس میں موقف کا فرق آتا ہے پولیس کی بات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اگر اہمیت دوسرے کو دی جائے تو بہت سے لوگوں کو رہائی مل سکتی ہے۔ لیکن پھر قانون کا بزنس زیادہ نہیں چل سکے گا۔

جہاں تک سزا کا تعلق ہے کافر قانونی نظام کا اصل مقصد سزاؤں کے پیچھے کچھ پیسے بنانا ہے اور جو لوگ اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں ان کو بے اثر بنانا ہے۔ نظریاتی طور پر سزا کسی ایک شہری کی طرف سے کسی دوسرے پر، انصاف پر مبنی بدلہ ہے۔ لیکن اکثر قوانین سے یا بہت سے قوانین کے عملی مظاہرے سے زیادہ تر لوگ متفق نہیں ہوتے۔ لیکن یہ بات

قانون بنانے والے ادارے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

سزاؤں کا ایک مقصد معاشرے میں رہنے والوں کو تنبیہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ ایسے جرائم سے دور رہیں۔لیکن سزائیں اس مقصد سے بہت دور ہوتی ہیں کیونکہ حقیقت میں اس لئے لاگو کی جاتی ہیں کہ وقت کے معاملات کو برقرار رکھا جائے۔وہ انصاف پر مبنی ایک بدلہ بھی نہیں اور لوگوں کو تنبیہ بھی نہیں۔ان کا اصل مقصد لوگوں کو ان کے جرائم کے اثرات سے پاک کرنا بھی نہیں۔قرآن وسنت کے مطابق جو تھوڑی سی سزائیں بتائی گئیں ہیں وہ انصاف پر مبنی ایک بدلہ بھی ہیں اور لوگوں کو تنبیہ بھی ہیں۔لیکن ان کا اصل مقصد لوگوں کو ان کے جرائم کے اثرات سے پاک کرنا ہے تا کہ وہ جنت میں جا سکیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے کسی مومن مرد یا عورت کے ہاتھوں بڑے گناہوں اور غلطیوں کے ہونے کے امکانات (Chances) ہی بہت کم ہیں۔

اس طرح کی سوچ کافر سوسائٹی میں نہیں ملتی۔وہاں یہ خیال رہتا ہے کہ اصل جرم پکڑا جانا ہے، اگر پکڑے نہیں گئے تو جرم کی کوئی حیثیت نہیں۔کافر کے ذہن میں یہ بات تو آتی نہیں کہ اس کا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے اور قیامت کے دن اسے ہر بات کا جواب دہ ہونا ہوگا۔اس جہالت کی بنیاد پر وہ جرائم کی طرف مائل ہوتا ہے اور اگر وہ پکڑا بھی جائے تو کافر قانونی نظام آخرت کے کسی حوالے کے بغیر اسے سزا دیتا ہے۔ایسے کافر مجرم کے لئے اصل میں دوگنی سزا ہے مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد بھی۔

انسان کے بنائے ہوئے قوانین بھی اسی کی طرح ہیں۔کچھ اچھے کچھ برے۔ قانون خدا نہیں ہوتا۔قانون کی حکمرانی کا اصل مطلب ان لوگوں کی حکمرانی ہے جو قانون بناتے ہیں۔اس کے برعکس اسلام کی شریعت اصل میں اللہ کا قانون ہے۔کافرانہ قانونی

نظام کے بہت سے قوانین عام عقل ونفسیات، دیانت اور دانشمندی سے خالی ہوتے ہیں۔وہ اصل میں سیاسی ضرورت ہوتے ہیں جن کا مقصد لوگوں کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔یہ بات یادرہے کہ جہالت اصل میں یہ ہے کہ آدمی سمجھے کہ اسے سب کچھ آتا ہے جبکہ حقیقت میں اسے کچھ بھی نہ آتا ہو۔جس طرح کافر میڈیکل ماہرین کے نزدیک ایک خیالی 'نارمل' ہے اسی طرح کافر قانونی ماہرین کے نزدیک بھی ایک' خیالی نارمل' (Imaginary Normal) ہے،جس کی اصل میں کوئی حقیقیت نہیں۔

اگر آپ Consumer Producer System میں ایک تابعدار روبوٹ یعنی غلام کی طرح ہیں اوران کے تمام قوانین کی پابندی کرتے ہیں تو آپ نارمل کی صف میں ہیں۔جونہی آپ اس نارمل حد سے باہر ہوں گے،کافر قانونی نظام آپ کے پیچھے ہوگا۔آج کے دور میں کسی اور متبادل نظام زندگی کے متعلق سوچنا اوراس کو اپنانا تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے۔قانونی ماہرین اس بات میں مہارت رکھتے ہیں کہ قوانین کی تشریح کرتے ہوئے ہر موڑ پر حالات اہل اقتدار کے کنٹرول میں رہیں اوراہل اقتدار کے مفادات کو زد نہ پہنچنے پائے۔جونہی کسی کے معاملات ان قانونی تشریحات سے باہر ہوتے ہیں۔وہ مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔جب کسی طرح کی بھی سرگرمیاں اس کافرانہ نظام کے خلاف نظر آئیں توان سرگرمیوں کو غیر قانونی قرار دے کر ختم کر دیا جاتا ہے۔

کافر میڈیا سسٹم پھران قوانین کو اشتہار بازی کے ذریعے سے اور دلیل وحجت (Arguments, Discussions & Advertisements) سے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھاتا ہے اوران ناپسندیدہ سرگرمیوں کو طوائف الملو کی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا نام دیتا ہے۔اوراپنے قوانین کو عوام کا مفاد،لوگوں کی حفاظت اور قومی مفاد کا

نام دے کر عوام کے ذہن مسخر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جس آسانی سے قوانین کو پاس کر کے ان پر عملدرآمد کرلیا جاتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کافر قانونی نظام کافرانہ نظام کے مختلف حصوں کی سربراہی کرتا ہے۔

کسی کافر سٹیٹ میں قانون بنانے والے لوگ وہی ہوتے ہیں جو قانون کو نافذ کرنے والے ہوتے ہیں ۔اگرچہ انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ (Administration Exective and Judiciary)/میں علیحدگی کا بہت پرچار کیا جاتا ہے۔حقیقت میں کافر سٹیٹ میں اس سے بالکل الٹ ہوتا ہے۔اس لئے اگر کوئی دجالی نظام کی مخالفت کی بات کرتا ہے تو اس کو دبا دیا جاتا ہے۔

کافر قانونی نظام ایک طرف تو اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ کافرانہ طرزِ زندگی برقرار رہے لیکن ایک طرف یہ بہت بڑا بزنس بھی ہے۔اس لئے بہت سی غیر ضروری اور بے کار عدالتی کاروائیاں کی جاتی ہیں۔ان کاروائیوں کا نتیجہ اہم نہیں ہوتا۔جس کی اہمیت ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح لوگوں کو مصروف رکھا جائے۔اگر ایک انصاف پسند معاشرہ قائم ہو جائے تو بہت سے لوگ بے روزگار ہو جائیں گے۔

پس دوسرے کافرانہ نظاموں کی طرح کافر قانونی نظام کی بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے لیے جاب تلاش کرتا رہے تا کہ اس کے وجود کی دلیل باقی رہے۔تمام نظاموں میں سے یہ سب سے زیادہ آدم خور (ظالم) نظام ہے۔کسی کا ہلکا سا گاڑی کا جرم (ٹریفک) کا جرم بھی پولیس وکیل جج اور سارے عملے کے لیے ذریعہ آمدنی ہے۔حیرت یہ بھی ہے کہ لوگ اس نظام پر فخر کرتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں۔لیکن محبت اور فخر ہر مخلوق کے اندر موجود ہے۔مکھی گندگی سے محبت کرتی ہے اور شہد کی مکھی شہد سے محبت کرتی ہے۔اور پھر

ایسے مواقع بھی ہوتے ہیں جب اس کافرانہ نظام میں عدل وانصاف بھی مل جاتا ہے۔کچھ وکلاء بہت ماہر بھی ہوتے ہیں اورحق واضح کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور جج بھی انصاف کرنیوالے ہوتے ہیں۔

یہ بات یادرہنی چاہیے کہ میڈیکل نظام کی طرح قانونی نظام میں بھی اچھے دیانت دارلوگ موجود ہیں جن کی خواہش ہے کہ حق وانصاف سے بات ہو۔لیکن اس کی وجہ نظام نہیں بلکہ نظام کی خرابیوں کے باوجود یہ لوگ انصاف کے متلاشی رہتے ہیں۔

لیکن اس نظام کی وجہ سے تو پولیس چھوٹے چھوٹے جرائم کے پیچھے لوگوں کا شکار کرتی ہے۔اس نظام کو چلانے کے لئے جو بھاری رقم چاہیے اس کے لیے جرمانے کافی نہیں ہوتے۔اس لئے عوام پر مزید ٹیکس لادے جاتے ہیں۔پولیس کی بھرتی اورنفری بڑھتی جاتی ہے۔ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں اورانہیں جدیدترین اسلحہ اوردوسری مشینری بھی دی جاتی ہے۔

چونکہ کافرقانونی نظام پیچیدہ ہے اورزبان بہت مشکل ہے۔کسی بھی قانونی کام کے لئے قانونی ماہرین کی مدد کے بغیر کام مشکل ہوتا ہے اوراپنے پرلادے گئے الزامات کے لئے بھی اگرقانونی ماہرین سے مشورہ اورمدد نہ لی جائے تو عدالت میں الزام سے بری ہونا مشکل ہے۔

اس قانونی نظام کے شکارسب لوگ امیرنہیں ہوتے بلکہ ان میں سے اکثرتو غریب ہی ہوتے ہیں۔اس لیے ان کی طرف سے جووکلاء ہوتے ہیں ان کوفیسیں بھی ملنی چاہییں اس کے لئے قانونی مدد کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔اس طرح عدالتی کاروائیاں چلتی رہتی ہیں اورعدلیہ کے باقی کارکنوں کو بھی کام اور پیسہ ملتا رہتا ہے۔پھران عدالتوں کو

عمارات اور جیلیں چاہیے ہوتی ہیں اور اسطرح مزید بزنس بن جاتا ہے۔ یہ تمام خرچ شاید کرنا ہی نہ پڑے اگر جرم کے متعلق سوسائٹی کا رویہ بدل جائے۔

صرف فوجداری ہی نہیں بلکہ سول لاء بھی قانونی نظام میں کام کرنے والوں کے لئے آمدنی کا ذریعہ ہوتا ہے۔لوگوں کا عدالتوں پر انحصار بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ زندگی کا ہر واقعہ اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جب تک اسے لکھ نہ لیا جائے۔ پیدائش کو رجسٹر کروانا ضروری ہے ۔موت کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ضروری ہے۔شادی اور طلاق دونوں عدالت سے ہو سکتے ہیں۔اگر موت واقع ہو بھی جائے تو جائیداد کی تقسیم اس وقت تک ورثاء میں نہیں ہوسکتی جب تک عدالت سے رجوع نہ کیا جائے۔الغرض زندگی کے ہر موڑ پر پیدائش سے موت تک کے واقعات اسی وقت درست اور حقیقی قرار پاتے ہیں جب تک ضروری کاغذی کاروائی (Paper Work) نہ کیا جائے۔

پھر عدالتی کاروائیوں پر انحصار اس لئے بھی بڑھ جاتا ہے کہ اس نظام میں لوگوں کا آپس میں اعتماد کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔اور ایک دوسرے کی نیتوں پر شک ہے (اور یہ کافرانہ ذہن سازی کی خاص بات ہے) یوں عدالتوں کا اثر زیادہ ہو جاتا ہے۔اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کافر کو اپنے وعدوں کا پاس رکھنے کے لئے مسلسل ایک سزا کا خوف چاہیے۔جس کو اللہ کا خوف نہیں، جنت کا شوق نہیں، جہنم سے ڈر نہیں، اسے ڈرانے کے لئے ایک مولا بخش ڈنڈے کی ضرورت رہے گی!

خوف اور امید ہر ایک کی ضرورت ہے کہ زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے یہ ضروری ہیں۔لیکن کتنا بڑا فرق ہے اس خوف اور امید میں جو اللہ سے کیا جائے اور اس خوف اور امید میں جو مخلوق سے ہو۔کافر سول عدالتوں کا زیادہ کام اسی Consumer

Producer Process سے جنم لیتا ہے۔اس(Process) عمل کا دارومدار مقابلے(Competition) اور استحصال(Exploitation) پر ہے اور یوں ہمیشہ کچھ لوگ بغیر کچھ صحیح کام کئے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے دلکش الفاظ کا سہارا لیکر اپنی من پسند خواہشات اور نتائج حاصل کیے جائیں۔ایسے معاملات میں قانونی ماہرین کے مشوروں کی ضرورت پڑتی ہے۔اس طرح کی بے ایمانی کو روکنے کیلئے عدالت میں لے جانے کی دھمکی ضروری ہوجاتی ہے۔

قرآن میں اللہ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ کافر ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے ہیں۔یہی وہ جھگڑے ہیں جن میں ایک دوسرے پر بداعتمادی اور دوسروں سے فائدہ اٹھانے کی عادت بن جاتی ہے اور اس طرح سول عدالتوں اور وکلاء کا کام چلتا رہتا ہے۔

پھر کافرانہ دجالی نظام میں بہت زیادہ قوانین اور پابندیاں لگائی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ قانون شکنیاں ہوں گی اور جس کا مطلب ہے کہ زیادہ ماہرین کی ضرورت پڑے گی قانونی کتابوں کی زیادہ ضرورت پڑے گی اور صرف ماہرین ہی ان میں سے قانونی نکات نکال سکیں گے۔

جب بھی کسی معاہدہ میں خرابی ہو تو صرف قانونی ماہرین اور کاغذی کاروائی کرنے والے ہی ان مسائل کا حل نکال سکتے ہیں۔وہ لوگ جن میں باہمی اعتماد کا رشتہ ہو معاملات طے کرنے بیٹھ جائیں تو اتنے بکھیڑوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔لوگوں کے معاملات میں کافرانہ بینکنگ سسٹم، انشورنس، زمینوں کی خرید فروخت، کرایہ، بلڈنگ کے

معاملات، الغرض زندگی کے ہر معاملے میں دخل اندازی سے کافر کورٹس کا نظام چلتا رہتا ہے۔۔۔۔

سود:

کافر مالیاتی ادارے ایسے جادوئی طریقے سے چلائے جاتے ہیں۔ وہ بغیر وجہ کے کرنسی چھاپتے ہیں اور سود کے ذریعے دولت بڑھاتے رہتے ہیں۔ وہی سود جسے اللہ نے واضح طور پر منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو سودی معاملات میں شریک ہوتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لوگوں کو پروگرام کر دیا جاتا ہے (ان کے ذہنوں میں بٹھا دیا جاتا ہے) اور چیزوں کی خواہش پیدا کر دی جاتی ہے۔ وہ چیزیں جو صارف وآجر نظام پیدا کر رہا ہے اور اس خواہش کے نتیجہ میں وہ چیزوں کو فوراً حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسکے بدلے میں اوپر کے پیسے دینے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ اور اوپر کا فالتو پیسہ اصل میں سود ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مالیاتی ادارے لوگوں سے دولت بٹورنے کیلئے بنتے ہیں جب کوئی انہیں رقم دیتا نہیں ہے تو یہ بے رحمی سے عدالتوں میں گھسیٹتے ہیں خاص طور پر آج کل یہ بات انسانوں سے نکل کر کمپیوٹرز کے ہاتھ آ گئی ہے کہ کون رقم دے رہا ہے اور کون نہیں دے رہا۔

قرض دیتے ہوئے اب یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کوئی قابل اعتماد ہے یا نہیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اچھی انوسٹمنٹ ہے یا نہیں۔ یعنی اس قرض میں کتنا پیسہ بنایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک مارگیج معاہدہ میں طے ہوا ہے کہ اصل رقم کا تین گنا ادا کیا جائے گا، یعنی جو گھر کی اصل قیمت ہے اس کا تین گنا آخر میں ادا ہوگا اور پھر معاہدہ کرنے والا اس رقم کی ادائیگی میں محض تھوڑا سا بھی پیچھے رہ جائے تو خواہ اس نے مکان کی اصلی قیمت کا دوگنا ادا کر دیا ہو، گھر پر قبضہ کر لیا جاتا ہے اور اسے بیچ دیا جاتا ہے اور اگر فروخت کرنے سے باقی

ماندہ رقم وصول نہ ہوتو نادہندہ سے باقی رقم پھر بھی وصول کی جاتی ہے۔اس میں یہ بالکل لحاظ نہیں رکھا جائے گا کہ نادہندہ نے کتنی ایمانداری سے پہلے کی رقم ادا کی تھی اور باوجود یہ ساری رقم ادا کرنے کے وہ پھر بھی گھر سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور پیسے سے بھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سود خواہ کسی شکل میں ہو ایک ایسا ڈاکہ ہے جو قانون کے ذریعے سے انسانوں پر ڈالا جاتا ہے۔اس کے بالکل برعکس جب مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو ادھار دیتا ہے، تو وہ ذہنی طور پر اس کی واپس ادائیگی میں تاخیر کے لئے تیار ہوتا ہے، بلکہ قرض معاف کرنے کی حد تک راضی ہوتا ہے۔اس لئے کہ اللہ کی طرف سے اسے دس گناہ زیادہ مل جاتا ہے۔اس وجہ سے بعض مسلمان تو قرض کی بجائے رقم قرض حسنہ دینا پسند کرتے ہیں کہ قرض کی واپسی کی صورت میں تو محض اصل رقم واپس آئے گی لیکن نہ ملنے کی صورت میں دس گناہ زیادہ مل جائے گا۔

یہ علم کافر مالیاتی اداروں کو بالکل نہیں ہے اور یہ ادارے بے رحمی سے، ان لوگوں سے جنہیں مدد کی ضرورت ہوتی ہے، پیش آتے ہیں۔کیونکہ مستحق شخص کبھی بھی مالیاتی طور پر ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ان اداروں کا نمائندہ ان ضرورت مندوں سے کہتا ہے کہ وہ ان کی مدد تو کرنا چاہتا ہے لیکن قوانین کے ہاتھوں اور اپنی نوکری کے ہاتھوں مجبور ہے۔زیادہ تر کاروبار کمپیوٹر کے ذریعے سے ہوتا ہے جس میں ہمدردی کی گنجائش نہیں ہوتی اور یوں بے رحمی سے قانونی کاروائیاں شروع ہوجاتی ہیں۔

انشورنس:

جب کوئی چیز خریدی جاتی ہے تو انشورنس کمپنیاں اس کی ضمانت لیتی ہیں کہ اگر چیز کو نقصان ہوجائے یا وہ گم ہوجائے تو خریدنے والے کو رقم مل جائے گی۔اس کے بدلے

میں انشورنس کمپنی کو ایک خاص رقم قسط وار ادا کرنی پڑتی ہے جو انشورنس کے اس زمانے کے دوران کمپنی کو ملتی رہتی ہے لیکن یہ کمپنیاں ذاتی نقصان اور حادثات میں بہت کم کردار ادا کرتی ہیں۔ چونکہ ان کمپنیوں کا کام صرف بزنس کرنا ہے، وہ رقم جو حادثات کی صورت میں ادا کرنی ہوتی ہے اس کا تخمینہ پہلے سے لگالیا جاتا ہے، اس طرح کمپنی کو ٹھیک ٹھاک منافع ہو جاتا ہے۔ اگر کسی طرح کم رقم ادا کر کے کسی دعوے دار کو ٹرخایا جاسکتا ہو تو وہ ضرور کریں گی۔ اس طرح بہت سے دعوے (Claim) مقدمہ بازی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر وکیلوں میں سودا بازی ہوتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ عدالت میں کیس لے جانے میں زیادہ خرچ ہوگا یا ویسے ہی سودا بازی کر کے کم خرچ ہوگا۔ پھر اس کے مطابق کلیم کا کچھ حصہ ادا کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک اور ثبوت ہے کہ کس طرح کافر نظام اپنے لئے بزنس تلاش کرتا ہے۔ لوگوں کی قسمتوں سے کھیل کر پیسہ بناتا ہے۔ اگر کوئی شخص کام کرتے ہوئے گر کر ہاتھ تڑوالے کہ اس کو ناکارہ سیڑھی دی گئی تھی، اسے اس نقصان کے بدلے میں پیسے اس وقت تک نہیں ملتے جب تک کہ ان پیسوں میں وکیل، گواہان، عدالتیں، ڈاکٹر وغیرہ شریک نہ ہوں۔ اس طرح کے سادہ کیس میں ان سب لوگوں کی قیمتیں اور اخراجات اس رقم سے زیادہ ہوتے ہیں جو آخر میں بے چارے مزدور کو ملتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری کاروائی بے چارے مزدور کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتی بلکہ ان ماہرین کے لئے اس میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

یہ کافر نظام کی اصل ہے۔ وہ ماہرین جو نظام کو کنٹرول کرتے ہیں انہوں نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ انکی خدمات کے بغیر لوگوں کا گزارہ نہیں۔ اس طرح اپنے لئے انہوں نے آمدنی کا اور نظام کے جاری وساری رہنے کا بندوبست کرلیا

ہے۔ مسلم کمیونٹی کو ان ماہرین کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی سماوی یا زمینی آفت یا حادثہ کی صورت میں کمیونٹی کے اراکین ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جہاں مناسب ہوتا ہے وہاں بیت المال سے مدد لی جاسکتی ہے۔ بیت المال مسلمانوں کے ٹیکس سے اکٹھا ہوتا ہے۔

یہ ٹیکس زکوٰۃ پر مشتمل ہے جو اس آمدنی پر ہوتا ہے جو کسی شخص کے پاس ایک سال کے عرصہ میں اکٹھی ہوئی ہو، جس کا مطلب ہے کہ وہ سرمایہ جو کسی شخص کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ اسی طرح فصلوں کے حساب کتاب میں ہوتا ہے کہ قدرتی آب پاشی کے ذریعے سے آمدنی کا دسواں حصہ اور مصنوعی آب پاشی کا بیسواں حصہ ٹیکس کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے ذرائع مثلاً مویشی اور زرعی مال، ہر ایک پر خاص حد کے بعد ٹیکس بنتا ہے۔

پھر زکوٰۃ الفطر ہے جو خوراک میں سے غربا اور ضرورت مندوں کو دی جاتی ہے۔ یہ رمضان کے فوراً بعد عید الفطر کے موقع پر دی جاتی ہے۔ چونکہ اسلام کے طریقے کی بنیاد دینے پر ہے، صحیح مسلم کمیونٹی اس مال کو فوراً ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ بیت المال میں سارا سال مال آتا رہتا ہے اور ضرورت مندوں کو ملتا رہتا ہے۔ یہ ٹیکس اتنے آسان ہیں کہ ان پڑھ شخص بھی ان کو سمجھ سکتا ہے اور اس کا حساب کر سکتا ہے ان کو اکٹھا کرنے اور سمجھنے کے لئے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے۔

مسلم کمیونٹی میں رہنے والے دوسرے غیر مسلموں کے لئے بھی دو ٹیکس ہیں۔ ایک جزیہ ٹیکس جو غیر مسلم مرد ادا کرتے ہیں۔ غربت کی صورت میں یہ چار دینار سونا یا چالیس درہم چاندی (جو کہ اس کتاب کے لکھنے کے وقت) ۱۳۰۰ امریکی ڈالر کے برابر بنتی ہے۔ سالانہ یہ رقم ادا کرنے پر مسلم کمیونٹی ایسے غیر مسلموں کی حفاظت کی ذمہ دار ہو جاتی ہے دوسرا

ٹیکس دوسرے ملکوں سے لائے جانے والے مال کا دس فیصد ہے۔ جو کہ غیر مسلموں پر لاگو ہوتا ہے۔

یہ ٹیکس کا نظام اتنا سادہ ہے کہ اسے آسانی سے اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ ان ساری غیر ضروری سرگرمیوں سے، جو کافر ٹیکس نظام کا خاصہ ہے نجات مل جاتی ہے۔ یہ غیر ضروری سرگرمیاں ظالمانہ بھی ہیں اور ان کے لئے قانونی ماہرین کی ضرورت بھی ہے اور پھر ان کے لئے ایک پیچیدہ نظام اور بیوروکریسی کی ضرورت پڑتی ہے پھر اس میں ٹیکس چوری کرنے والوں کو پکڑنے کے لئے ایک مزید قانونی سیٹ اپ چاہیے جس کا مطلب ہے ماہرین کے لئے مزید بزنس۔

چونکہ مسلمانوں کے ٹیکس اتنے تھوڑے ہیں کہ ہر کوئی انہیں ادا کر سکتا ہے۔ یہ بھی کہ یہ اُسکی اصل ملکیت میں سے ادا ہوتے ہیں نہ کہ جو کچھ کسی نے سال میں کبھی کمایا ہو۔ مثلاً اگر کسی مسلمان کی سالانہ انکم ایک ملین ڈالر بھی ہو لیکن وہ اسکے پاس سال سے کم عرصے کے لیے رہی ہو تو اس پر کوئی ٹیکس لاگو نہیں ہوتا۔

یہ بات واضح ہے کہ کافر قانونی نظام کا اصل مقصد دولت بٹورنا ہے اور ایسی صورت حال پیدا کرنا ہے جس سے مزید دولت حاصل کی جا سکے اور یہ کام وہ سوسائٹی کو کنٹرول کرنے کے بعد کرتا ہے۔ انصاف اس کا مقصود نہیں۔ بہت سے مقدمات کا نتیجہ اس بات پر نہیں ہوتا کہ وہ حق ہے یا غلط، بلکہ اس بات پر ہوتا ہے کہ مقدمے کے اخراجات کون ادا کرے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ دو قوانین متوازی چل رہے ہیں ایک وہ جو امیر لوگوں کیلئے ہے اور دوسرا جو غربا کے لئے ہے۔

کافر قانونی نظام اپنے بنائے ہوئے غلام عوام کی بجائے قانون بنانے والوں اور کنٹرول کرنے والوں کی حمایت کرتا ہے۔ دولت بٹورنے کا یہ عمل اس لئے بھی بڑھ جاتا ہے کہ قانونی نظام میں بیوروکریسی ہونے کی وجہ سے تاخیر پیش آتی ہے۔ یہ تاخیر ملزم اور مقدمہ کرنے والوں کے حق میں نقصان دہ ہے کہ حالات لوگوں کے ذہنوں میں پرانے ہو جاتے ہیں اور یوں مقدمات کا نتیجہ غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ باقی احباب جو مقدمات کی پیروی میں شامل ہوتے ہیں ان کیلئے تاخیر کا مطلب زیادہ مال ہے۔

کافر قانونی نظام جو کافر دجالی نظام کا دل ہے اپنے لئے کام خود پیدا کرتا ہے اور اس کے لئے کام Consumer Producer System بھی پیدا کرتا ہے یہ خوب دولت بھی کماتا ہے اور ساتھ ساتھ ایسے حالات کو برقرار بھی رکھتا ہے جو اس کیلئے کاروبار پیدا کرتے رہیں۔ صرف وہ لوگ جو اس کافرانہ دجالی قانونی نظام کی سمجھ رکھتے ہیں وہی اس کے منافع میں شریک ہو سکتے ہیں۔ باقی سب کے سب خسارے میں رہتے ہیں۔

ظاہر ہے آخری جیت ہار کا فیصلہ تو جنت جہنم کے فیصلے پر ہوگا۔ اگر ہم قرآن کے نظریہ سے دیکھیں تو کافر نظام چلانے والوں کیلئے عنقریب ایک بہت بڑا صدمہ ملنے والا ہے۔

عذرا پاؤنڈ کی تحریر کا یہ حصہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ کیسے قانونی اداروں کے ذریعے سے بدترین سودی نظام بیسویں صدی کی زندگی پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ یہ تحریر اس نے ایک خط سے لی ہے جو ۲۵ جون ۱۸۶۳ء میں لندن کے ایک بینک کی برانچ سے لکھا گیا۔ ''چند لوگ جو اس نظام کو سمجھنے والے ہیں، وہ یا اس سے ہونے والے منافع میں دلچسپی کی وجہ سے یا اس سے ہونے والے فائدوں پر انحصار کرنے والے ہونگے اس لئے ان کی

طرف سے مخالفت نہیں ہوگی جبکہ اکثر لوگ جو سرمایہ کے اس منافع کو نہیں سمجھ پائیں گے وہ اس کے بوجھ کو بغیر شکایت کے برداشت کریں گے اور شاید ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ یہ نظام اصل میں ان کے مفادات کے خلاف ہے''۔

پیغمبرانہ طریقہ زندگی کفر کے برعکس ہے۔کافر پیچیدگی پیدا کرتا ہے۔اسلام سادگی کا نام ہے۔اسلامی معاشرے میں ایسے ادارے اور ماہرین نہیں ہوتے جن کے وجود اور روزگار کا ذریعہ لوگوں کی پریشانیوں کے بل بوتے پر کام سے وابستہ ہو۔اسلامی معاشرے میں آپس کا معاہدہ اور کام باہمی اعتماد کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ان کا تعلق کاغذی کاروائی اور اس کے نتیجہ میں کسی کام کے جائز یا ناجائز ہونے پر نہیں ہوتا۔جہاں کہیں بھی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے،قرآن وحدیث سے اس کا حل تلاش کرلیا جاتا ہے۔

یہ بھی درست ہے کہ کچھ لوگوں نے چند اسلامی تعلیمات کو لے کر کافر قانونی ڈھانچہ کے مطابق ایک نظام بنانے کی کوشش کی ہے لیکن ان کو اسلامی نہیں کہا جاسکتا۔ان کو نظرانداز کردینا چاہیے۔یہ محض نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی کو پورا کررہے ہیں کہ کچھ مسلمان یہود ونصاریٰ کی تقلید کریں گے۔

اصل اسلامی معاشرے کی فطرت یہ ہے کہ اس میں Consumer Producer System نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ مسلمان جانتا ہے کہ اللہ نے اسے اس کے لئے تخلیق نہیں کیا۔اس طرح کا تعلیمی نظام بھی مسلمانوں میں نہیں ہوتا کہ ان کا ذہن دوسروں کے استحصال کیلئے نہیں بنایا جاسکتا،کیونکہ اسلامی معاشرے کی بنیاد اللہ کی عبادت ہے نہ کہ دوسروں کا استحصال۔مسلمانوں کے پاس جو علم ہے وہ یقین پر مبنی ہے نہ کہ قیاس آرائیوں پر۔مسلمان معاشرے میں اس طرح کے میڈیکل نظام کی ضرورت نہیں

کیونکہ ان کا طرز زندگی ہیلتھ کی طرف لے کر جاتا ہے اور جب انہیں بیماری آ بھی جائے تو ان کا طریقہ علاج بھی مختلف ہے۔

انہیں قانونی نظام بنانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن وحدیث کی تعلیمات مکمل ہیں اور ان کی تشریح کیلئے قانونی ماہرین کی ضرورت نہیں۔ کافرانہ دجالی نظام استعمال کرنے کے لئے قانونی ماہرین کی ضرورت ہے۔ اسلامی نظام کو استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسے مان لیا جائے نہ کہ یہ کہ اسے زبردستی دوسروں پر ٹھونسا جائے۔ سود پر مبنی مالیاتی نظام کی ضرورت نہیں کہ اسلامی معاشرہ دینے اور دوسروں کی مدد کرنے پر مبنی ہے نہ کہ مال کو رکھنے اور دوسروں سے چھپانے پر۔

ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں بغیر چہرے والے اداروں کی گنجائش نہیں۔ جس بینک کو ہم جانتے ہیں اس طرح کے بینک نہیں، بہت سی جیلیں نہیں، بہت سی عدالتیں نہیں، بہت زیادہ پولیس کی ضرورت نہیں بلکہ باقاعدہ فوج کی بھی ضرورت نہیں۔ حاکم وہ ہے جسے ہر شخص نے حاکم تسلیم کیا ہے اور جو قرآن وحدیث کی پیروی کرتا ہے۔ کوئی حکمران طبقہ نہیں ہے اس لئے کہ محمد ﷺ کا طریقہ خاندانوں کی حکمرانی کو منع کرتا ہے۔ جو بھی خاندان موروثی حکومت کر رہا ہے وہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغام کی مخالفت کر رہا ہے۔ جب لوگ دوسروں کا استحصال کرنا چاہتے ہیں تو انہیں استحصال کرنے کے ذرائع اور طریقے بھی ڈھونڈنے پڑتے ہیں اور اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے طریقے بھی تلاش کرنے پڑتے ہیں۔

جب مسلم کمیونٹی میں کوئی شخص قرآن وحدیث کی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو قرآن وحدیث کے مطابق مسلم کمیونٹی اپنے رہنماؤں کے ذریعے اس کا فیصلہ کرتی ہے اور یہ فیصلہ بغیر تاخیر کے ہوتا ہے۔ ایک مسلم معاشرے میں کسی کی آزادی کو تین دن سے زیادہ سلب

نہیں کیا جاسکتا خواہ اس نے کچھ بھی کیا ہو۔ ہر کوئی زندگی میں کسی غلط کام کا مرتکب ہوسکتا ہے۔

حکمرانی کا طریقہ سنت نبوی ﷺ سے ظاہر ہے۔آپ نے حکمران کو کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے دونوں فریق کو سننے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر وہ غصہ کی حالت میں ہوں تو حکمرانوں کو خود فیصلہ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔آپ ﷺ نے کبھی جیل نہیں بنوائی۔

چونکہ فیصلوں میں تاخیر نہیں کی جاتی، مسلم کمیونٹی میں کاغذی کاروائی اور بیورکریسی کی گنجائش نہیں۔ مسلم کمیونٹی میں انصاف کا تعلق اس بات سے نہیں کہ مقدمے کے اخراجات کون ادا کررہا ہے، اس لئے کہ انصاف کے حصول میں اخراجات ہی نہیں ہوتے ایک مسلم نہ دوسروں کیلئے خطرہ ہوتا ہے نہ وہ خود اپنی زندگی ختم کرسکتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ اسلام ان لوگوں پر کامیابی سے عائد نہیں کیا جاسکتا جو اس کو دل سے قبول نہ کرتے ہوں۔ کوئی احمق ہی لوگوں کو کوئی خاص طریقہ زندگی اختیار کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ ہر شے اپنے مقام پر صحیح ہے اور اللہ کے امر سے ہے۔ اگر آپ مومن ہیں تو کافر بننے کی کوشش نہ کریں اور اگر کافر ہیں تو زبردستی مومن بننے کا کوئی فائدہ نہیں۔آپ وہی بن سکتے ہیں جو آپ ہیں اور دوسروں کو بھی وہی بننے دیں جو وہ ہیں، اللہ کے سوا نہ کسی کے پاس قدرت ہے نہ طاقت۔

ابھی تک ہم نے کافر نظام کے حکمران طبقے کا ذکر کیا ہے جو اس نظام کے چھوٹے حصوں کو کنٹرول کرتے ہیں ان حصوں سے مل کر کل نظام بنتا ہے۔اس حکمران طبقے کو واضح طور پر پہچانا نہیں گیا تھا۔اب ضروری ہے کہ ہم گہری نگاہ سے دیکھیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔

یہ فری میسن کی تحریک کے لوگ ہیں جو کہ ایک خفیہ تنظیم ہے۔ بظاہر اس تحریک نے دوستوں کے ایک کلب کا لبادہ اوڑھا ہے۔ جو بزنس کی دنیا میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور مخیّرانہ کام کرتے ہیں۔ یہ بات درست بھی ہے لیکن ایک دوسرے کی مدد اور دوسروں پر کنٹرول کا درجہ اور نوعیت کیا ہے، یہ عوام سے پوشیدہ ہے۔

ان میں اختیار اور اقتدار کا نظام درجہ بدرجہ ہے اور اہرامی ہے۔ ان کی ایک شناختی علامت ایسا اہرام ہے جس کے اوپر ایک آنکھ کا نشان بنا ہے۔ فری میسن اکیسویں صدی کے جادوگر ہیں اور سارا جادو زندگی کے سراب کے متعلق ہے اور یہ جادو اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ دیکھنے والے کو حقیقت نظر نہ آئے۔ Consumer Producer System میں یہ جادو واضح طور پر نظر آتا ہے۔ حتٰی کہ اس نظام کو چلانے کیلئے جنگوں کو تخلیق کیا جاتا ہے اور حکومتوں کو گرایا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعے سے قرضوں کی صورت پیدا کی جائے۔ پھر ماہرین اور اسلحہ مہیا کیا جائے اور ان سب پر سود وصول کیا جائے۔ فری میسن کی کہانی فرعون کے جادوگروں سے ملتی ہے۔ وہ فرعون جسنے موسیٰؑ کی مخالفت کی تھی۔ قرآن میں موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ بار بار آتا ہے۔ یہ قصہ بتاتا ہے کہ جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق چلتا ہے اور کسی کافر سے ٹکراتا ہے جس کی زندگی کا انحصار جادو پر ہے تو آخر میں فتح اللہ کے بندے کی ہوتی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں۔

باطل قوتوں کے ساتھ جنگ ہر دور میں حق والوں نے کی ہے۔ یہی قصہ جو موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان ہوا، وہی نوحؑ اور اس وقت کے حکمرانوں کے درمیان ہوا تھا اور وہی کہانی ابراہیمؑ اور نمرود کے درمیان تھی، یہی بات عیسیٰؑ اور رومن سلطنت کے درمیان ہوئی۔ یہی محمد ﷺ اور ابوجہل کے درمیان بات دہرائی گئی اور یہی دجال اور مہدی کے

درمیان قصہ ہوگا۔

قرآن کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے بندوں اور طاغوتی طاقتوں کے درمیان ایک جیسے معاملات پیش آئے۔ اللہ ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا اور وہ مسلسل تخلیق کر رہا ہے۔ اللہ کسی کے ذہن میں نہیں سما سکتا اور ہر چیز جو اللہ کے علاوہ ہے وہ اس کا خیال ہے کوئی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی لیکن وہ ہر شے کو دیکھتا ہے۔ وہ عالم الغیب ہے اور ہر وقت موجود ہے۔ ہر شے سے بے نیاز نہ اس نے کسی کو جنم دیا نہ اس نے کسی سے جنم لیا۔ کوئی اس کا مثل نہیں اور کوئی اس کے علاوہ عبادت کے لائق نہیں۔

تمام انبیاؑ اس دنیا میں اسی بات کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کیلئے آئے اور انہوں نے لوگوں کو اس بات کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا۔ وہ لوگوں کو زندگی کی حقیقت بتانے کیلئے آئے کہ اصل وجود صرف اللہ کا ہے۔ وہ حقیقی علم کے ساتھ آئے اور اپنی ذات کی معرفت سمجھانے آئے اور جو شخص خود کو پہچانتا ہے وہ اللہ کو پہچان جاتا ہے۔

سب انبیاؑ کی تعلیمات ایک جیسی تھیں۔ گو زندگی گزارنے کیلئے ہدایات میں تھوڑا بہت فرق تھا، بعض اوقات پیغام کسی قوم اور قبیلہ کے لیے خاص تھا لیکن حضرت محمد ﷺ کا پیغام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنّوں کیلئے ہے۔

تمام انسانوں کیلئے ایک راستہ کا اختیار ہے، وہ ہے مومن یا کافر کے راستوں میں کسی ایک کا اختیار کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اختیار بھی محدود ہے کہ ہم وہی کچھ بن سکتے ہیں جو اللہ نے ہمارے مقدر میں لکھ دیا ہے البتہ ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ قیامت کے دن ہم سوال پوچھنے والے نہیں بلکہ جواب دینے والے ہونگے اس وقت یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم کونسا راستہ چنتے ہیں۔

دجال کفر سے علیحدہ نہیں ہے۔ دجال کفر کی شدید ترین حالت کا مظہر ہے جو دنیا کے خاتمے سے قبل ظاہر ہوگی اور مہدی اسلام کا ایک نمونہ ہونگے اگر چہ مہدی محمد ﷺ کے مقابلے میں ایسے ہونگے جیسے سمندر کے سامنے قطرہ۔ مہدی اور دجال کا مقابلہ اصل میں دنیا کے خاتمے کی علامت ہوگا۔ مہدی پھر مسلمانوں کے قائد کے طور پر دنیا میں امن قائم کریں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کا پھر سے ظہور ہو گا۔ حضرت عیسیٰؑ کے وفات پانے پر انہیں حضور ﷺ کے پاس دفن کیا جائے گا۔

پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب سارے مسلمان اٹھا لیے جائیں گے اور چین میں ایک مسلمان رہ جائے گا پھر اس مسلمان کے مرنے کے بعد باقی لوگ جانوروں کی طرح زندگی گزاریں گے۔ اس وقت کے بعد اسرافیلؑ پہلا صور پھونکیں گے۔ کچھ عرصہ زمین بغیر زندگی کے رہے گی پھر اسرافیلؑ ایک اور صور پھونکیں گے اور پوری دنیا تباہ ہو جائے گی اور ریت کا صحرا بن جائے گی۔ پھر دنیا میں رہنے والے ہر ذی روح شخص کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور یہ اس ذات کیلئے آسان ہے جس نے انہیں پہلی دفعہ تخلیق کیا تھا۔ پھر ان کے اعمال اور اعمال کے پیچھے ان کی نیتوں کی بنیاد پر ان کیلئے جنت یا جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ جنت مومنین کیلئے اور جہنم کافروں کیلئے۔ دجال اور اس کے پیروکاروں کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ مہدی اور اس کے پیروکار جنت میں ہونگے۔ آپ یا تو جہنم کیلئے ہیں یا جنت کیلئے۔ اس وقت یہ اختیار آپ کا ہے۔۔۔۔۔!

فری میسن دجال کی اَن دیکھی قوتیں ہیں۔ جنہوں نے دنیا پر قبضہ کر لیا ہے۔ انکی سرگرمیوں کے نتیجہ میں پوری دنیا میں ایک سوشل اور کلچرل عمل معرض وجود میں آچکا ہے یہی

قوتیں دجال (یعنی فرد) کی حمایت کریں گی۔ اس تحریر کے لکھنے کے وقت یہی لوگ کافر نظام اور دستور (Institution) پر حاوی ہیں۔ یہ اس سے پہلے اتنے بااختیار کبھی نہیں تھے انہوں نے C.P.S کے ذریعے سے دنیا پر اپنا تسلط جمالیا ہے۔ یہ C.P.S ان کے بینکنگ کے نظام اور ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کے زور پر چل رہا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ یہ لوگ آزادی نسواں کے نام پر عورتوں کی نس بندی کر رہے ہیں تا کہ دنیا کی مارکیٹ میں طلب و رسد کی قوتوں کو اپنی مرضی سے متوازن کر سکیں۔

یہ لوگ جنگوں کو تخلیق کر کے کنٹرول حاصل کرتے ہیں۔ دونوں فریقین کو من چاہی قیمت پر اسلحہ فروخت کرتے ہیں۔ طاقتور اقوام کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دیتے ہیں اور پھر ان پر قبضہ اور کنٹرول کر لیتے ہیں۔ بوسنیا اسکی ایک مثال ہے۔

استحصال اور کنٹرول کی یہ ٹیکنیک بیک وقت دو محاذوں کے ذریعے سے استعمال کی جاتی ہے۔ ایک محاذ جو پردے کے پیچھے ہوتا ہے، دوسرا جو عوام کے فائدے کے نام پر سرکاری محاذ ہوتا ہے۔ خفیہ سرگرمیاں البتہ بہت ظالمانہ ہوتی ہیں۔ سرکاری واقعات کی کامیابی کے پیچھے کفر کے مختلف ذیلی نظاموں کا بہم تعاون ہوتا ہے اس لئے کہ یہ نظام انہی فری میسن کے ہاتھ میں ہیں جنہوں نے فرانسیسی انقلاب کا ڈرامہ رچایا اور تب سے وہ ایسے ڈرامے سٹیج کرتے چلے جا رہے ہیں۔

کافرانہ قانونی اور میڈیکل نظام فری میسن تعاون کی ایک واضح مثال ہے۔ اس سے کوئی ڈرامہ سٹیج کرنے میں اور بالآخر کنٹرول حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ محض حادثاتی اور واقعاتی بات نہیں کہ لندن کا ہائی کورٹ آف جسٹس اور رائل کالج آف سرجن ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔ گوانکے فرنٹ مختلف سمتوں میں ہیں۔ وہ ضرورت

پڑنے پر ایک دوسرے سے ملکر کام کرتے ہیں۔

تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ جہاں میڈیکل اور لیگل سسٹم نے آپس میں تعاون کیا۔ میڈیا نے بھی اس تعاون میں اپنا کردار ادا کیا۔

لارڈ نارتھ کلف (Lord Northcliffe):

پہلی مثال لارڈ نارتھ کلف کی ہے جو کہ ٹائمز اخبار کا چیف ایڈیٹر تھا۔ ایک واقعہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے اور باقی دونوں مثالیں جنگ عظیم دوئم کے بعد کی ہیں۔ ان میں مشہور شاعر عذرا پاؤنڈ اور بدنام زمانہ نیورمبرگ مقدمہ ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے نتیجہ میں فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا اس جگہ کو صیہونی یہودیوں کا پرانا گھر قرار دیا گیا حالانکہ یہ یہودی اصل میں خاضار یہودی تھے اور یورپ کے باسی تھے۔ بلفور اعلان ۲ نومبر ۱۹۱۷ء میں سرکاری طور پر لارڈ راتھس چائلڈ کے حوالے کیا گیا اسی ہفتہ میں روسی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

''سرکار اور حکومت برطانیہ یہودیوں کیلئے ایک قومی وطن کے طور پر فلسطین میں آبادکاری کو بنظر تحسین دیکھتی ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے پوری توانائی صرف کرے گی البتہ غیر یہودی فلسطینیوں کے حقوق کو پامال نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی یہودیوں کے حقوق کو کسی اور ملک میں سلب کیا جائے گا۔''

یہ بات قابل ذکر اور لچسپ ہے کہ کمیونزم بھی صیہونیت کی طرح ایک یہودی معاملہ تھا۔ جیسا کہ ڈگلس ریڈ (Doughlas Reed) نے اپنی کتاب ''صیہونیت کا اختلافی کردار'' میں تحریر کیا ہے:

''برطانوی وائٹ پیپر جو ۱۹۱۹ء میں تحریر کیا گیا اس میں بالشوزم کے بارے میں

یہ رپورٹ ہے۔مسٹر اوڈ نڈائک(Oudendyke) نے لکھا ہے: بالشوزم اصل میں یہودیوں کی منظّم کردہ تحریک ہے۔ یہ یہودی کسی وطن سے تعلق نہیں رکھتے لیکن اپنے مقاصد کیلئے کسی بھی نظام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔امریکہ کے سفارت کار ڈیوڈ فرانسس (David R. Francis) نے اسی طرح کی بات لکھی ہے۔بالشویک لیڈرز زیادہ تر یہودی ہیں ان میں ۹۰ فی صد لوگ جلاوطن رہے لیکن انہیں روس سے کوئی دلچسپی نہیں۔وہ دنیا میں ایک انقلاب لانا چاہتے ہیں''۔

مسٹر اوڈ نڈائک(Oudendyke) کی تحریر کو برطانوی سرکاری مطبوعات سے بعد میں منہا کر دیا گیا اور اس وقت کی ساری تحریروں کو جو قابل اعتماد ہیں حاصل کرنا مشکل بنا دیا گیا ہے۔خوش قسمتی سے ایک طالب علم کیلئے کسی گواہ نے سرکاری ریکارڈ کو محفوظ کر لیا تھا۔یہ گواہ مسٹر رابرٹ ولٹن تھے وہ لندن ٹائمز کے صحافی تھے اور انہوں نے بالشویک انقلاب کو دیکھا تھا۔ان کی کتاب کے فرانسیسی اشاعت میں حکومتی انقلابی ممبرز کی فہرست تھی۔یہ فہرست انگریزی اشاعت میں سے نکال دی گئی تھی۔

یہ ریکارڈ بتاتا ہے کہ بالشویک پارٹی کی سنٹرل کمیٹی جو کہ ساری طاقت رکھتی تھی، اس میں تین روسی تھے جن میں لینن بھی شامل تھا اور ۹ یہودی تھے دوسرے نمبر کی طاقتور کمیٹی (سنٹرل کمیٹی آف ایگزیکٹو کمیشن) یا سیکرٹ پولیس میں ۲۴ یہودی اور ۱۹ روسی، لٹس (Letts) اور جیورجین (Georgian) وغیرہ تھے۔کونسل آف پرسلر کمیشن میں ۱۷ یہودی اور ۵ دوسرے لوگ تھے۔ماسکو چی کا (Moscow Che-ka) (سیکرٹ پولیس) میں ۱۷ یہودی اور ۱۳ دوسرے تھے۔بالشویک کے ۵۶۶ آفیسروں میں ۴۵۸ یہودی اور ۱۰۸ دوسرے لوگ تھے۔دوسری سوشلٹ پارٹیوں میں ۵۵ یہودی اور ۶ دوسرے

لوگ تھے، یہ سب نام مسٹر ولٹن کی اصلی دستاویز میں بتائے گئے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز قائم کی گئی۔جس ذریعہ سے برطانوی حکومت کو بین الاقوامی اجازت دلوائی گئی کہ وہ اس وقت تک فلسطین کا انتظام سنبھال لیں جب تک اچھی خاصی تعداد میں وہاں یہودیوں کی آبادی نہ ہو جائے اور بعد میں یہ کنٹرول انکے حوالے کیا جا سکے۔لارڈ نارتھ کلف جو ٹائمز (Times) اخبار کا ایڈیٹر تھا اس نے ایک ہم عصر صحافی جے ایم این جفریز (J.M.N. Jeffries) کے ساتھ فلسطین کا دورہ کیا اور جو کچھ وہاں ہو رہا تھا اس کا مشاہدہ کیا۔ڈگلس ریڈ نے اس کو یوں رپورٹ کیا ہے ''اس وقت تک انگلینڈ میں جو کچھ لکھا جا رہا تھا اور لوگوں کو بتایا جا رہا تھا وہ صیہونیت کے سربراہ ڈاکٹر وائز مین (Weizmann) کے مشورے سے تھا۔ لارڈ نارتھ کلف نے البتہ سب کچھ ذاتی مشاہدہ کی بناء پر تحریر کیا اور اسی نتیجہ پر پہنچا جس پر اس وقت کے تمام نیوٹرل صحافی پہنچ رہے تھے۔اس نے لکھا کہ: میرے خیال میں ہم نے بغیر سوچے سمجھے یہودیوں کو فلسطین میں آبادکاری کی ضمانت دے دی ہے۔حالانکہ وہاں ۷۰ لاکھ فلسطینی آباد ہیں۔یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ انگلینڈ صیہونیت کے مشن سے بہت مخلص ہے۔میں نے انہیں بتایا کہ ایسا نہیں ہے اور انہیں ۷۰ لاکھ عربوں سے لڑنے کے لئے خفیہ اسلحہ نہیں دینا چاہیے۔فلسطین میں اس سے خرابی ہوگی۔لوگ یہودیوں کو یہ بات بتانے کی ہمت نہیں رکھتے۔خیر میں نے انہیں کچھ سچ بات بتادی ہے''۔ٹائمز کے ایڈیٹر مسٹر وکم سٹیڈ (Wickham Steed) جس نے پہلے بھی روس کے انقلاب میں یہودیوں کے صحیح کردار کو رپورٹ کرنے سے انکار کیا تھا (یہ رپورٹ روس میں ان کے اہم صحافی مسٹر رابرٹ ولٹن نے تیار کی تھی) اب لارڈ نارتھ کلف کے لکھے ہوئے مضامین کو شائع کرنے سے انکار کر دیا۔جب لارڈ نارتھ نے اسے خود

فلسطین آ کر حالات کا مشاہدہ کرنے کی دعوت دی تو اس نے انکار کیا اور باوجود اصرار کے لارڈ نارتھ کلف کے مضامین شائع نہیں کیے۔

اس میں وہ مضمون بھی شامل تھا جس میں مسٹر بلفور کے صیہونیت کے متعلق رویہ پر اعتراض کیا گیا تھا۔انگلینڈ واپسی پر لارڈ نارتھ کلف نے مسٹر وک مین سٹیڈ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔(مارچ ۱۹۲۲ء) اس پر مسٹر وکم سٹیڈ (Wickham Steed) نے لارڈ نارتھ کلف پر ''پاگل'' ہونے کا الزام لگا دیا۔

ڈگلس ریڈ لکھتا ہے: جون ۱۹۲۲ء کو لارڈ نارتھ کلف نے مسٹر وکم سٹیڈ کو پیرس میں ملاقات کے لئے کہا۔ان کی ملاقات ۱۱ جون ۱۹۲۲ء کو ہوئی۔لارڈ نارتھ کلف نے مسٹر وکم کو بتایا کہ وہ ''ٹائمز'' کی ایڈیٹر شپ خود سنبھالیں گے۔جون ۱۲ کو یہ سب لوگ ٹرین سے ایویان لزبنز (Evian-les-Bains) کیلئے روانہ ہوئے۔راستے میں ایک ڈاکٹر کو خفیہ طور پر ٹرین میں سوار کیا گیا۔سوئٹزرلینڈ میں ایک ماہر فرنچ نیورالوجسٹ کو شامل کیا گیا جس کا نام ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔اور جس نے لارڈ نارتھ کلف کو ''پاگل'' قرار دے دیا۔اس سرٹیفکیٹ کے بعد مسٹر وکم نے ٹائمز کو ہدایات جاری کیں کہ کارڈ نارتھ کلف کی کوئی تحریر شائع نہ کی جائے۔جون ۱۳ کو وہ نارتھ کلف سے علیحدہ ہوا اور پھر کبھی اس سے نہیں ملا۔جب لارڈ نارتھ کلف لندن میں آیا تو اس کو ہر قسم کے کنٹرول سے ہٹا دیا گیا۔اس کا ٹیلیفون تک کاٹ دیا گیا۔اس کو ٹائمز کے آفس میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔یہ سب کچھ اس نامعلوم غیر ملکی ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر کیا گیا۔

یہ بات آفیشل ہسٹری آف ٹائمز نے رپورٹ کی ہے۔۱۴ اگست ۱۹۲۲ء کو لارڈ نارتھ کلف انتقال کر گئے۔اس وقت ان کی عمر ۵۷ سال تھی اور موت کی وجہ

Ulcerative Endocarditis بتائی گئی اور ایک تعزیتی اجلاس کے بعد روتے صحافیوں کے درمیان ان کو دفن کر دیا گیا۔ یہ کہانی بعد میں آفیشل پبلکیشن سے لی گئی ہے۔ جو تیس سال بعد شائع ہوئی۔ اگر یہ اس وقت معلوم ہوتی تو بہت سے سوال اٹھتے۔ اس طرح ایک طاقتور شخص کو پراسرار انداز سے خاموش کر دیا گیا، اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی!!!

ڈگلس ریڈ مزید لکھتا ہے:

لارڈ نارتھ کلف کو شائع ہونے سے اور اس کے اپنے اخبار کے کنٹرول سے ہٹا دیا گیا اور یہ اس اہم وقت میں کیا گیا جب لیگ آف نیشنز فلسطین میں یہودیوں کو ایک نئے وطن کی نوید سنانے والی تھی اور یوں ہماری نئی نسل کو یہ مسئلہ ورثہ میں دے دیا گیا۔ ایک مشہور اخبار کی تحریریں لوگوں کو اس فیصلہ کے خلاف کر سکتی تھیں اور یوں حالات کا پانسا پلٹ سکتا تھا۔ نارتھ کلف کی وفات کے بعد بلفور کے صیہونیت سے تعلق پر روشنی ڈالنے والے لوگ کم ہوتے چلے گئے اور پیرس میں صحافیت نے غیر جانبدارانہ رپورٹنگ پر خاموشی اختیار کر لی ہے۔ لارڈ نارتھ کلف کو مکمل طور پر 'جون ۱۸' میں ہٹا دیا گیا اور جولائی ۲۴۔۱۹۲۲ء کو لیگ آف نیشنز نے لندن میں برطانیہ کو فلسطین میں یہودی آبادکاری کی اجازت دے دی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈگلس ریڈ جس نے ٹائمز کے سٹاف کو پہلی جنگ عظیم کے آخر میں جوائن کیا، اس کو لارڈ نارتھ کلف کے سیکرٹری کے طور پر بلقان (Balkans) بھیجا گیا۔ وہ ان آخری لوگوں میں ہے جس نے نارتھ کلف کو پاگل قرار دیئے جانے سے قبل دیکھا تھا۔

ڈگلس ریڈ، جو بعد میں ٹائمز کا چیف غیر ملکی نامہ نگار بھی بنا، کے مطابق نارتھ کلف تندرست شخص تھا۔

''میں جج نہیں کر سکتا لیکن ایک نوجوان کی حیثیت سے میں نے جو مشاہدہ کیا وہ

ریکارڈ کرسکتا ہوں۔ میں جب لندن واپس آیا تو نارتھ کلف کے بھائی نے مجھ سے سوالات کئے۔ بھائی لارڈ اتھر میئر اور اسکے ہمراہ چارج سٹن مجھ سے پوچھتے رہے۔ یقیناً ان کے ذہن پر نارتھ کلف کے پاگل پن کی بات تھی۔لیکن میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی۔اگرچہ میں ان آخری لوگوں میں سے تھا جو اس پاگل پن کے سرٹیفکیٹ سے پہلے ان سے ملا تھا۔ یہ سب کچھ اس خفیہ انداز سے ہوا کہ میں جو ٹائمز میں کام کرتا رہا لیکن تیس سالوں بعد مجھ پر انکشاف ہوا کہ مسٹر نارتھ کلف کو پاگل قرار دیا گیا تھا۔اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ میری ۲۷ سال کی عمر میں جو واقعات میرے اردگرد ہوئے ان کے نتائج کتنے گہرے تھے''۔

دوسری جنگ عظیم کے پردے میں فلسطین کے اندر بڑھتی ہوئی یہودی آبادی کو اسلحہ دیا گیا۔اور اس کے بعد لیگ آف نیشنز کو ختم کر کے یونائیٹڈ نیشنز بنائی گئی، جس نے اسرائیل کے وجود کو قانونی بنا دیا اور اس کے اراکین نے اس کو فوراً تسلیم کرلیا۔

عذرا پاؤنڈ: (Ezra Pound)

عذرا پاؤنڈ اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ مغربی تعلیم ایک ذہن سازی کا عمل ہے جو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور وجود کی وحدت سے لاعلم رہے لیکن اس کے پاس زندگی کے کچھ حصوں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات ہوں۔اس جاہلیت کی معراج اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسے ہر بات کا علم ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔

عذرا پاؤنڈ اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ جنگ عظیم اول اور دوئم فری میسنوں کی وجہ سے شروع ہوئیں اور انہوں نے پردے کے پیچھے سارے کردار ادا کئے۔انہوں نے

ان جنگوں سے پیسہ کمایا اور ان جنگوں کے نتیجہ میں حکومتوں پر اپنا کنٹرول بڑھایا اور کافر C.P.S کے ہر شعبے (میڈیکل، تعلیم، بینکنگ، انشورنس) کو ان ممالک میں رائج کروایا جو اس جنگ سے متاثر ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی عذرا پاؤنڈ نے ریڈیو نشریات کے ذریعے سے اٹلی سے یہ سب کچھ جو وہ دیکھ رہا تھا بڑی بہادری سے کہنا شروع کر دیا۔ البتہ وہ اس کنٹرول سے پوری طرح واقف نہیں تھا جو اس موجودہ لائف سٹائل اور سسٹم کے مالکوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ اس نے کینفوشیس کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو متبادل طریقہ کے مطابق زندگی گزارنا تجویز کیا۔ وہ کینفوشیس کی تحریروں کا ترجمہ کر رہا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس دجالی نظام کے مقابلے میں اسلام کے متبادل نظام سے وہ آگاہ نہ تھا۔

جب امریکن افواج اٹلی کے اس حصہ میں پہنچیں۔ انہوں نے عذرا پاؤنڈ کو فوراً گرفتار کر لیا اس وقت اس کی سادہ لوحی یہ تھی کہ وہ اس گمان میں رہا کہ اسے امریکن حکومت کی راہنمائی کیلئے لے جایا جا رہا ہے تا کہ وہ کینفوشیس کی تعلیمات کی روشنی میں حکومت کو بہتر بنانے میں مددگار ہو۔ اس لئے کہ امریکہ کے بانی حکمران اس بات کا دعویٰ کرتے رہے تھے کہ سود کی ہر قسم ناجائز ہوتی ہے۔

عذرا کے ساتھ بعد میں جو سلوک ہوا اس سے اس کی غلط فہمی جاتی رہی۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ امریکہ کے فری میسن طبقے اس بات سے بہت چڑتے تھے کہ کوئی سود سے پاک تجارت اور لین دین کی بات بھی کرے کیونکہ یہ وہ طریقہ ہے (سود کا) کہ جس کے ذریعے وہ انسانوں پر کنٹرول حاصل کرتے ہیں اور انسانوں کو C.P.S میں بیل کی طرح جوت دیتے ہیں۔ یہ کنٹرول امریکہ میں مکمل ہو چکا تھا اور ان فری میسنوں کے نزدیک عذرا پاؤنڈ عوام کا نمبر ون دشمن تھا۔

گرفتاری کے فوراً بعد اسے پیسا(Pisa) لے جایا گیا جہاں ملٹری کمپاؤنڈ میں ایک آہنی پنجرہ میں اسے رکھا گیا۔ کسی کو اس سے گفتگو کی اجازت نہ تھی۔ اسے سورج، موسم اور ہوا سے کوئی پناہ نہ تھی۔ وہ اس قدر بیمار ہو گیا کہ اسے سانس کیلئے خیمہ میں رکھنا پڑا کچھ ہفتوں کے بعد اسے امریکہ لے جایا گیا۔ جہاں وہ بیماری اور کمزور صحت کا شکار رہا۔ امریکہ میں فوراً اسے جج کے سامنے لایا گیا اور اس پر غداری کا الزام لگایا گیا۔ وہی الزام جو وہ فری میسنوں پر لگاتا رہا تھا کہ وہ جنگ عظیم کے ذریعے سے اپنا کنٹرول بڑھا رہے ہیں۔

عذرا پاؤنڈ کو اپنی مرضی کا وکیل نہیں کرنے دیا گیا۔ اس کے برعکس اس کا دفاعی وکیل خود ایک فری میسن تھا۔ جج بھی فری میسن تھا اور جو میڈیکل ایکسپرٹ لائے گئے وہ بھی فری میسن تھے۔ فری میسن نہیں چاہتے تھے کہ یہ مقدمہ پوری طرح دنیا کے سامنے چلے کیونکہ اس میں وہ ظاہر (Expose) ہو جاتے۔ اگرچہ مغربی میڈیا پوری طرح فری میسنوں کے قبضہ میں تھا اور اب بھی ہے جس کسی نے بھی آزاد میڈیا کیلئے کوشش کی وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کنٹرول کس قدر مکمل ہے۔ عذرا کے وکیلوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ دماغی حالت کا بہانہ بنا کر مقدمہ کا سامنا کرنے سے انکار کر دے۔ اس کیلئے ضروری تھا کہ عذرا عدالت میں ایک لفظ بھی نہ بولے۔

عذرا جو بیماری اور بڑھاپے کے بوجھ تلے دبا تھا۔ اپنے وکیلوں اور بیوی کے دباؤ سے اس صورت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ عذرا کو جج کے سامنے پیش کیا گیا اس کے وکیلوں نے یہ بات سامنے رکھی کہ عذرا مقدمہ نہیں لڑ سکتا۔ جج نے میڈیکل انکوائری کیلئے حکم دیا۔ میڈیکل ایکسپرٹ کا انتخاب دونوں فریقین نے مل کر کرنا تھا۔ عام طور پر اس طرح کے مقدمات میں میڈیکل ایکسپرٹ ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں اور جس طرف سے

ان کا انتخاب ہوتا، اس کی طرفداری میں دلائل دیتے ہیں۔اس تغاشہ کی طرف سے یہ امید تھی کہ وہ اس بات کے حق میں دلائل دے گا کہ عذرا پاؤنڈ بالکل ذہنی طور فٹ ہے اور مقدمہ کا سامنا کرسکتا ہے۔لیکن چونکہ پردے کے پیچھے خفیہ طور پر طے ہو چکا تھا کہ مقدمہ میں شامل تمام فریقین فری میسن تھے۔اس بات میں کوئی حیرت نہ ہوئی کہ تمام فریقین مکمل طور پر متفق ہو گئے کہ عذرا ذہنی طور پر درست نہیں اور مقدمہ کا سامنا نہیں کرسکتا۔اس بات کو فری میسن میڈیا نے خوب اچھالا کہ عذرا سے کتنا انسانی سلوک ہوا ہے کہ چونکی وہ ذہنی طور پر معذور ہے اس لئے اسے ان الزامات سے بری کیا جاتا ہے۔اصل میں فری میسن اس بات کو یقینی بنا رہے تھے عذرا کی تعلیمات عوام میں عام نہ ہوں۔عذرا کو ذہنی مریض قرار دینے کے بعد اسے پاگلوں کی جیل میں بھیجنا آسان ہو گیا۔

فری میسن اپنے لیگل میڈیکل سسٹم کی وجہ سے اپنے ایک بڑے مخالف کو خاموش کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ سب کچھ قانون اور انسانیت کے نام پر کیا گیا عوام کو بالکل پتہ نہیں چلا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔عذرا پاؤنڈ نے اگلے ۱۵ سال جیل میں گزارے وہ اپنے ملاقاتیوں سے ملتا رہا لیکن اس نے چپ سادھ لی۔اسے معلوم ہو گیا کہ دشمن کتنا چالاک ہے اور آسانی سے اسے سزا دلوا سکتا ہے اس نے زندگی کو زیادہ اہمیت دی اور ایک مشہور شاعر کے طور پر باقی زندگی گزاری دی۔فری میسن میڈیا نے اس کے تمام خیالات رد کر دیئے کہ وہ ایک اچھا شاعر لیکن خبطی آدمی ہے۔اس کی شاعری کی تعریف کی گئی لیکن اس کے سیاسی خیالات کو احمقانہ اور پاگل پن قرار دیا گیا۔

اس کے علاوہ یہ بھی کوشش کی گئی کہ اس کے خیالات زیادہ شائع نہ ہونے پائیں اس لئے کہ اشاعت کے معاملہ کو بھی فری میسن ہی کنٹرول کرتے ہیں۔اس کی تحریروں کو جو

دجالی نظام کو واضح کرتی ہیں مارکیٹ سے اٹھالیا گیا۔

اس کی جمالیاتی شاعری کو خوب اجاگر کیا گیا لیکن باقی تحریوں کو مارکیٹ سے اٹھا لیا گیا۔ جب عمر کے آخری حصے میں اس کی ہمت مکمل طور پر جواب دے گئی تو اسے جیل سے رہائی مل گئی۔ وہ اٹلی واپس آ گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔ اگر آج اس کے متعلق پوچھا جائے کہ عزرا پاؤنڈ کون تھا تو جواب ملے گا: ایک مشہور شاعر۔۔۔! بہت کم لوگ اس کی حقیقی داستان سے واقف ہیں اس کی داستان اس کافر نظام نے بڑی خوبصورتی سے چھپا دی ہے، یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہوا کہ کافر دجالی نظام کی ساری شاخیں، میڈیکل، لیگل، میڈیا، ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان سب کا کنٹرول فری میسن کے ہاتھ میں ہے۔

کافر نظام کے ڈرامے کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ تمام پبلک میں اپنی لیگل (قانونی) اور نارمل کی تعریف کو رائج کر دے۔ (یعنی جس بات کو فری میسن قانونی اور نارمل بنانا چاہتے ہیں لوگ بھی اس کو قانونی اور نارمل کے طور پر قبول کر لیں)۔ اس طرح ان کا استحصالی گھناؤنا کردار جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کو کنٹرول کرتے ہیں پردے کے پیچھے چلا جاتا ہے۔

کافرانہ میڈیکل ماہرین بتاتے ہیں کہ نارمل یعنی صحیح الدماغ کون ہے اور ابنارمل یعنی پاگل کون ہے۔ کافر قانونی ماہرین بناتے ہیں کہ قانونی عمل کونسا ہے اور غیر قانونی کونسا۔ یعنی کس بات کی اجازت ہے اور کس بات کی نہیں۔ چونکہ کافر ماہر لوگوں میں شہرت بھی چاہتا ہے اس لئے نارمل اور لیگل کی ایک سے زیادہ تعریفیں وجود میں آتی ہیں۔ جو کافر ماہر انوکھی تعبیریں پیش کرے اس کو اچھا مقام مل جاتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ

اس کی خوب تشہیر کی جائے۔ اگر چہ کافر لیگل اور نارمل کی تعبیروں میں خاصا فرق ہے لیکن ان سب میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے کہ یہ سب وجود کے کافر نظریے کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کا بظاہر اختلاف سطحی نوعیت کا ہے۔ اصل میں یہ سب انبیاؑ کے پیش کردہ طریقہ زندگی کو ٹھکرا کر کافر طریقہ زندگی کو قبول کرتے ہیں۔ کافر کے نظام میں وحدت ہے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے سے دست و گریبان بھی ہوں۔ کافر تعلیمی نظام ان تعریفوں اور تعبیروں کو عام عوام میں رائج کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ میڈیا اس عمل کو تقویت دیتا ہے اور اس میں تسلسل قائم کرتا ہے۔ اس لئے متبادل تعلیمی نظام جو کافر کے نظریہ حیات کے مطابق نہیں کو غیر قانونی قرار دے کر غیر مقبول بنا دیا جاتا ہے۔

کافر ملکوں میں بچوں کو کافر نظامِ تعلیم کی کنڈیشننگ کے لئے نہ بھیجنے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ کوئی بھی متبادل تعلیمی نظام ہو اسے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے نام نہاد قومی نصاب کو استعمال کرنا پڑتا ہے اور عام طور پر متبادل نظام تعلیم گورنمنٹ فنڈ تک حاصل نہیں کر پاتے۔

اگر مقامی حکمران کو پتہ چل جائے کہ کچھ بچے اس تعلیمی کنڈیشننگ سے بچائے جا رہے ہیں تو وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان بچوں کو اپنی نگرانی میں لے سکتے ہیں۔ چونکہ ایسے والدین کے پاس متبادل نظام تعلیم نہیں ہوتا تو مقامی حکمران کے لئے آسان ہو جاتا ہے کہ عدالت میں والدین کو نااہل ثابت کر سکیں۔ اسی طرح میڈیا پر کافر کی اجارہ داری ہے۔ اکثر ملکوں میں لائسنس کے بغیر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی نشریات نہیں ہو سکتیں۔ صرف انہی اداروں کو لائسنس مل سکتا ہے جو براہ راست یا بالواسطہ اسی نظام کی اعانت کرتے ہوں۔ اس طرح اس دجالی کافر نظام پر مؤثر تنقید کے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ البتہ

شدت پسندوں کو کچھ کو ریج مل جاتی ہے تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ کافر نظام کی بظاہر مضبوطی کتنی ضروری ہے کہ اسکے متبادل سوچ کس قدر مضحکہ خیز اور نا کارہ ہے۔ان شدت پسندوں کے خیالات کو مزید توڑ موڑ کر برے طریقے سے عوام کے سامنے لایا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ کافر نظام کی ساری خرابیاں دیکھنے والوں کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں۔اس لئے میڈیا ایسے پروگرام بھی دکھا دیتا ہے کہ جن کے ذریعے سے ثابت کیا جائے کہ ان خرابیوں اور خامیوں کو نوٹ کر لیا گیا ہے اور تنقید و بحث کا سلسلہ جاری ہے۔

پھر ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے کچھ کیا بھی جا رہا ہے؟ جتنا کوئی کافر نظام مضبوطی سے قائم ہوتا ہے اتنی اس پر تنقید کی اجازت زیادہ دے دی جاتی ہے کہ محض الفاظ سے کچھ بھی تبدیلی نہیں آتی۔موجود حالات پر تبصرے کے پروگرام کے ساتھ ساتھ خیالی اور افسانوی پروگرام دکھائے جاتے ہیں تا کہ ترقی اور آرٹ کے نام پر فحاشی اور بے راہ روی کو فروغ دیا جائے۔خبروں کا دھچکا(Shock) دینے کے بعد کھیلوں کی خبریں دی جاتی ہیں۔ میوزک اور ڈرامہ سے آپ کا دل بہلایا جاتا ہے اور مقابلہ کے پروگراموں کے ذریعے سے آپکے دماغ کو مصروف رکھا جاتا ہے اور اچانک پتہ چلتا ہے کہ ایک اور قیمتی دن گزر گیا۔

میڈیا کے نظام کا اصل مقصد اور اثر یہ ہے کہ زندگی کو ایک دماغی کام بنا دیا جائے۔ زیادہ تر ایکشن انسان کے دماغ کی طرف جاتے ہیں۔ریڈیو، ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر کے ذریعے سے حقیقت ایک تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔یہ ایک قسم کا ہپناٹزم ہے۔ہر واقعہ کے پیچھے ٹیکنالوجی کا استعمال ہے۔مسلسل اس طرح میڈیا سننے اور دیکھنے سے انسان اس کی پیش کردہ ہر بات کو ویسے ہی قبول کر لیتا ہے اور اس کے متعلق خود کچھ نہیں کر پاتا بشرطیکہ پیٹ بھرا رہے اس کا پہلو گرم رہے اور گھر آرام دہ رہے۔

کافر سوسائٹی میں رہنے والے شخص کو میڈیا کے ذریعے معلومات کی بھرمار کی جاتی ہے اور اگر یہ شخص نظام کی خرابیوں سے واقف بھی ہو جائے تو اس کو تبدیل کرنا اسے ناممکن نظر آتا ہے۔

بہت سے لوگ آج کی کافر سوسائٹی میں ناخوش نظر آتے ہیں لیکن ماحول بلکہ خود کو تبدیل کرنے کے معاملہ میں بے بس ہیں لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو تعلیمی نظام اور میڈیا کی کنڈیشننگ پراسس کی وجہ سے موجودہ دنیا کے نظام کو بغیر سوال کئے قبول کر لیتے ہیں۔ چونکہ تعلیم اور میڈیا پر اس حکمران طبقہ کا زور ہے وہ اپنی نارمل اور قانون کی تعبیروں کو معاشرے میں قبول کروا لیتے ہیں۔ کافر ملکوں میں انسان کو ان تعریفوں اور تعبیروں سے واسطہ پیدائش سے موت تک رہتا ہے۔ بہت سے لوگ تو واقعات و حالات میں ویسا کچھ ہی دیکھتے ہیں جو انہیں دیکھنے کو کہا جاتا ہے۔ بہت کم لوگ اس بات کا احساس کرتے ہیں کہ ان کے دماغوں میں یہ جعلی تعبیریں بٹھا دی گئی ہیں۔ اس لئے وہ اپنے وجود کے مقصد کی تلاش نہیں کرتے۔ اس کافر تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کا مقصد اور اس کی حقیقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اسی کو دجالی ذہنیت کہتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اگر کوئی اس کی مخالفت میں بات کرے تو اس پر ذہن سازی (Brainwashing) کا الزام لگایا جاتا ہے۔

کافر تعبیریں اور تعریفیں زندگی کی حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ یہ انبیاؑ کی تعلیمات سے اخذ نہیں کی گئیں۔ صرف انبیاؑ کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائی گئی زندگی کی حقیقت اور اس کا مقصد کافر نہ ذہن سازی کے تانے ہوئے جالے کو توڑ سکتا ہے اور آج کے دور میں واحد تعلیم جو زمانے کی دست و برد سے محفوظ رہ سکی ہے وہ قرآن کی تعلیم

ہے۔اس سے حقیقی علم یعنی اللہ کا تعارف نصیب ہوسکتا ہے۔زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے قلب کے تزکیہ کی ضرورت ہے۔

واحد طریقہ کہ انسان قرآنی تعلیمات پر اپنی زندگی گزارے یہ ہے کہ انسان ایسی مسلم کمیونٹی کی تلاش کرے جو اپنی زندگیوں کو صحابہ اور اولین مسلمانوں کے طرز زندگی پر گزار رہی ہو۔اسطرز زندگی کی روح قرآن اور سنت ہے۔اللہ خود فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر یہ بہترین کمیونٹی ہے اور چونکہ اللہ سب کے خالق ہیں وہی بہتر جانتے ہیں کہ کونسا طرزِ زندگی (Lifestyle) ہمارے لئے بہترین ہے۔ اولین مسلمانوں نے زندگی کی حقیقت کو براہ راست حضرت محمد ﷺ سے حاصل کیا تھا جو کہ خود قرآن کا عملی نمونہ تھے۔آج کی حقیقی مسلم کمیونٹی کا عمل بھی وہی ہوگا اور وہ اپنے قائد سے تزکیہ اور تعلیم حاصل کرے گی۔ یہ قائد اللہ کا ولی ہے وہ اللہ کی محبت میں گرفتار ہے اور اللہ اس سے محبت کرتے ہیں۔اللہ کے اولیاء میں آپس میں مقابلہ نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا اللہ کے نزدیک اپنا مقام ہے جس کے اندر اللہ کا خوف زیادہ ہے وہ اللہ کے زیادہ قریب ہے۔جو اولیاء اللہ کے زیادہ قریب ہیں وہ لوگ حضرت محمد ﷺ سے براہ راست فیض اٹھاتے ہیں ان کو زندگی کی صحیح حقیقت معلوم ہے۔

اسلام کی طرز پر زندگی گزارنا کتابوں سے نہیں مل سکتا۔ یہ علم انسان سے انسان تک براہ راست منتقل ہوتا ہے۔ یہ انتقال قرآن سے براہ راست تعلق سے نصیب ہوتا ہے۔قرآن سے استفادہ کی بہترین صورت اس کی تلاوت ہے۔کبھی تنہائی میں اور کبھی لوگوں کے درمیان، لیکن تلاوت کے وقت دل پر توجہ کی ضرورت ہے۔قرآن براہ راست اللہ کے الفاظ ہیں یہ واحد کتاب ہے جو کسی انسان نے نہیں لکھی۔ یہ حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے حضور ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔حضرت محمد ﷺ اُمی تھے، یعنی پڑھنا اور

لکھنا نہیں جانتے تھے۔قرآن کا ایک حرف بھی تبدیل نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے۔

آج کے نام نہاد خیالی نظریوں میں ایک نظریہ ارتقاء ہے۔اس نظریے کی بنیادوں میں کافر مفکرین کا بہت ہاتھ ہے۔ یہ نظریہ کافر کی ترقی اور آگے بڑھنے کے بنیادی خیال کو تمام شعبوں میں لانے میں مددگار ہے۔ ہر کام چاہے وہ ایٹم بم بنانے کا عمل ہو، اسے یہ کہہ کر اپنا لیا جاتا ہے کہ یہ ارتقائی منازل میں سے ایک ہے اور اس لئے بہتر ہوگا۔ڈارون کے اس نظریہ ارتقاء کا ایک حصہ تو یہ ہے کہ انسان آدم سے نہیں بلکہ بندروں سے ترقی کر کے آگے بڑھا ہے۔قرآن اس کا انکار کرتا ہے اور حقیقت بتاتا ہے کہ ہر انسان آدمؑ اور حواؑ سے تخلیق کیا گیا ہے۔ ماضی میں بھی ایسے لوگ تھے جنہوں نے انبیاؑ کی تعلیمات کو ٹھکرا کر جانوروں کی طرح رہنا پسند کیا۔قرآن کی روشنی میں اگر ان تعریفوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ اکثر جہالت اور جھوٹ پر مبنی محدود خیالات کے نظریات لگتے ہیں جن میں بے یقینی کی کیفیت ہے۔قرآن کی تعلیمات ان نظریات کی اصلیت کو واضح کر سکتی ہیں۔ نارتھ ہائی ٹیک کے کچھ ذہین اور سمجھدار سائنس دان اب اس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے صحیح طور پر دریافت کیا ہے وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق ہے جو کہ چودہ سو سال پہلے نازل ہوا اور ابھی تک قرآنی تعلیمات کی بہت سی چیزیں سائنس دریافت نہیں کر سکی اور وہ شاید کبھی بھی نہ کر سکیں کہ ان کا طریقہ دریافت بہت گھٹیا ہے۔

ہر مخلوق میں ایک نشانی ہے لیکن کافر تعریفیں ان نشانیوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ چونکہ کافروں کے پاس یقین کی دولت نہیں ہے اور بے یقینی کی حالت ہے، اس لیے ان کی تعریفیں مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔اپنی جاہلیت اور کم علمی کو چھپانے کے لئے وہ یہ دلیل

دیتے ہیں کہ چونکہ وہ ترقی کر رہے ہیں اس لئے ان کی تعریفیں تبدیل ہو رہی ہیں۔

''بگ بینگ'' نظریہ کے ایک بڑے حامی سے ایک مرتبہ یہ پوچھا گیا کہ بگ بینگ سے پہلے کیا کچھ تھا؟ اس نے اعتراف کیا کہ سب سائنس دانوں نے مل کر ایک معاہدہ کیا ہے کہ وہ اس سوال کو نہیں اٹھائیں گے۔۔۔! اس کا جواب دینا تو بعد کی بات ہے اس غیر تحریری معاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کے جواب میں انہیں اپنی جاہلیت کا اعتراف کرنا پڑے گا اس طرح انہیں ایسے پروفیشنل ٹائیٹلز، اپنی تنخواہوں اور اپنی شہرت سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور ان میں سے جو بہت بہتر لوگ ہیں انہیں خوب علم ہے کہ اگر انہیں زندگی کی صحیح حقیقت کا علم حاصل کرنا ہے تو لیبارٹریز چھوڑ کر کسی اللہ کے ولی کی تلاش کرنی ہوگی۔ جب اللہ کرنا چاہتا ہے تو وہ محض یہ کہتا ہے کہ 'ہو جا' اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔

اللہ قرآن میں کہتے ہیں کہ جو لوگ انبیاؑ کی تعلیمات کو رد کر دیتے ہیں انہیں تباہ کر دیا جاتا ہے۔ گہری نگاہ سے دیکھنے سے پتہ چلے گا کہ آج کی کافر سوسائٹی پر یہ بات پوری طرح لاگو ہوتی ہے۔ یہ معاشرے آگے ترقی کی طرف نہیں بڑھ رہے اور بہتر نہیں ہو رہے بلکہ یہ بدتر سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ حیات کی ہر قسم پیدا ہوتی ہے اور مرتی ہے بڑھتی ہے اور پھر ختم ہوتی ہے۔ موجود زمانے کا کافر دجالی نظام جب گرے گا تو باقی رہنے والے لوگوں کے پاس اسلام کو اپنانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

حضور ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ اس دنیا کے بچے نہ بنو بلکہ آخرت کے بچے بنو۔ اس لئے کہ یہ دنیا تمہیں چھوڑ رہی ہے اور آخرت تمہارے قریب آ رہی ہے۔

کافر ماہرین جو نارمل اور قانونی کی تعریف کرنے کے ماہر ہیں اس طرح کا مشورہ انسانوں کو نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ وہ زندگی کے سفر کی صحیح حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں۔ ایسا

سفر جو ہم کو چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے اختیار کرنا ہے انہیں یہ علم نہیں کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور یہ بھی علم نہیں کہ انہیں کہاں جانا ہے اور انکی زندگی کی تعبیریں اور تعریفیں ان کی جہالت کی غمازی کرتی ہیں ہم یقیناً اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اللہ کی طرف ہی جانا ہے۔

ان تعریفوں اور تعبیروں کا مقصد انسان کے وجود کی حقیقت کو جاننا نہیں ہے بلکہ C.P.S میں آبادی کو کنٹرول کرنا اور اس کا استحصال کرنا ہے۔ یہ تعریفیں اور تعبیریں اصل میں انسانوں کو کنڈیشن اور پروگرام کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں تاکہ وہ اپنی زندگیوں کا مقصد C.P.S کو بنالیں۔ اللہ نے قرآن میں واضح کر دیا ہے کہ انسانوں اور جنّوں کی زندگیوں کا مقصد صرف اللہ کی عبادت کرنا ہے۔

لارڈ نارتھ کلف اور عزرا پاؤنڈ کی مثالوں سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ یہ تعریفیں دجالی قوتوں کو مواقع فراہم کرتی ہیں کہ جو کوئی اس دجالی نظام کی حقیقت جان لے اور اس کو ختم کرنے پر تلا ہو، اس کو میڈیکل اور لیگل تعریفوں کے ساتھ روکا جا سکے۔

وہ کافر ایکسپرٹ جو ان تعریفوں کو بناتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں قرآن ان کو مفسدون یعنی فساد پھیلانے والے کہتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم معاملات کو درست کر رہے ہیں جب کہ حقیقت میں یہ فساد اور لوگوں میں تقسیم کے ذمہ دار ہیں۔ اگرچہ قرآن میں دجال کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ کفر اور اس کے طریقے قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کافر نظام ایک وحدت لگتا ہے جس میں آپس میں مربوط چھوٹے چھوٹے سسٹم ہیں اور جیسا کہ محمد ﷺ کے فرمان کا مفہوم کہ کفر ایک جسم ہے۔ جس طرح C.P.S نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور جس طرح یہ انسانوں کو غلام بنانے میں لگا ہوا ہے اس سے لگتا ہے کہ عنقریب مسیح دجال نمودار ہوگا۔

نیورمبرگ کا مقدمہ(Nuremberg Trial):

دجالی سسٹم کے طریقہ واردات میں کس طرح اپنے مخالفین کو قانونی اور آہنی ہتھ کنڈوں سے اپنے راستے سے ہٹایا جاتا ہے۔اس کی ایک مثال نیورمبرگ کا مقدمہ ہے۔یہ ڈرامہ بہت شاطرانہ طریقہ سے رچایا گیا۔یہ دجالی نظام کے دنیا پر چھا جانے کی تاریخ کا ایک بہت بڑا باب ہے اوراس پر کروڑوں پاؤنڈ خرچ کئے گئے۔عذرا پاؤنڈ کی طرح ہٹلر بھی فری میسنوں کی حرکات اوران کے افراد کو پہچانتا تھا۔اس نے ان حرکات کو لوگوں تک پہچانے کیلئے ایک وسیع پروپیگنڈا کا بندوبست کیا۔اس نے دوسری جنگ عظیم کا آغاز کیا لیکن اس نے بھی عذرا پاؤنڈ کی طرح فری میسنوں کی اصل طاقت اور کنٹرول کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ایک وقت تو ایسا تھا کہ اس نے گمان کرلیا تھا کہ امریکی حکومت بھی اس کی حمایت کرے گی۔اس کو علم نہیں تھا کہ امریکی حکومتوں میں پچاس سال قبل ہی سے فری میسنوں کا عمل دخل شروع ہو چکا تھا،جس کو ہٹلر پہچاننے میں ناکام رہا۔

ایک حقیقت وہ یہ تھی کہ فری میسنوں کو اسی جیسے شخص کی تلاش تھی۔اس کے اندر عوام کو اپنے پیچھے لگانے کی صلاحیت تھی کہ وہ اس کیلئے مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔وہ طاقت کے حصول کیلئے لالچی تھا اوراپنے مخالفین پر تشدد اور ظلم کو روا سمجھتا تھا۔جب جنگ ختم ہوئی تو ان خامیوں کو اچھالا گیا اوراس کے نام کو استعمال کر کے دنیا کو بے وقوف بنایا گیا۔

حقیقت میں فری میسن نے ان واقعات اور حالات کو ہٹلر کی تباہی کیلئے استعمال کیا،ساتھ ساتھ جنگ سے خوب دولت بٹوری اور پھر جنگ کے نتیجہ میں ہونے والے واقعات کے ذریعے بین الاقوامی کنٹرول میں اضافہ کیا۔

دوسری جنگ عظیم نے تقریباً ہر ملک کو وہ وجوہات مہیا کر دیں جن کی وجہ سے ہر

ملک اسلحہ اکٹھا کرنے کی دوڑ میں لگ گیا۔اس طرح فری میسنوں کے پاس ان گنت جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر اسلحہ بیچنے کے ذریعے سے مال بٹورنے کے مواقع مہیا ہو گئے۔ اس لئے کہ جب اسلحہ ہوتا ہے تو لوگ استعمال بھی کرنا چاہتے ہیں۔جو کوئی اسلحہ استعمال کرنا چاہتا ہے اس کو فری میسنوں کی طرف سے تھپکی اور شاباش ملتی ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ مخالفین کو بھی اسلحہ یہی لوگ مہیا کرتے ہیں۔جیتنے والے کو البتہ اس اسلحہ کے بدلے میں مزید اسلحہ دے دیا جاتا ہے،سود پر قرض دے دیا جاتا ہے اور اس ملک کے قدرتی وسائل کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے۔چونکہ ان جھگڑوں میں دونوں فریقین کو مدد فری میسن ہی کر رہے ہوتے ہیں۔گو ان فریقین کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔کسی کے جیتنے یا ہارنے سے فری میسنوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔پس نتیجہ جو بھی ہو فری میسنوں کی جیت ہی ہوتی ہے۔

دوسری (کافر) جنگ عظیم کے خاتمے پر ہٹلر کے خیالات کو عوام کی نظروں میں گرانے کیلئے کسی ترکیب اور تدبیر کی ضرورت تھی جیسا کہ عذرا پاؤنڈ کے خیالات کیلئے سازش کی گئی تھی۔اس کی ترکیب یہ نکالی گئی کہ ہٹلر کو ایک جنونی شخص قرار دیا گیا جس کی کسی بات سے حق نکالنا ممکن نہ رہا۔ہٹلر کو اپنے لیے منافع سے بھرپور فساد کا ذریعہ بنانے کے بعد،فری میسنوں نے خود کو اس سے علیحدہ کر لیا۔اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ وہ عوام کی نظروں سے یہ حقیقت پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے کہ اس کے عروج وزوال اور جنگ کی صورت پیدا کرنے میں ان کا ہاتھ ہے بلکہ وہ ان حقائق کو بھی چھپانا چاہتے تھے جو ہٹلر کے خیالات میں ان کی سرگرمیوں کو اجاگر کر رہے تھے۔چونکہ ہٹلر خود ایک کافر تھا۔یہ کام نسبتاً ان کے لیے آسان رہا۔

اگر چہ ہٹلر دنیا پر فری میسنوں کے کنٹرول اور انکی سرگرمیوں سے کسی حد تک واقف تھا۔اس کو اسلام کی سچائی اور وقت کے نظام کے متبادل کوئی اور نظام مہیا نہ تھا۔دجالی نظام کے مقابلہ میں واحد متبادل انبیاؑ کی تعلیمات پر مبنی زندگی ہے۔بلکہ ہٹلر کے پاس تو عذرا پاؤنڈ کی طرح خیالات بھی نہ تھے۔فری میسنوں کی طرح وہ بھی طاقت اور کنٹرول کا شیدائی تھا۔

حقیقت میں ہٹلر فری میسنوں کے فرعونی (تکونی) طاقت کے سیٹ اپ کو اپنے فرعونی سیٹ اپ سے بدلنا چاہتا تھا۔مختصراً دوسری کافر جنگ اصل میں کافر قوتوں کے درمیان طاقت اور اقتدار کی جنگ تھی اور حق اور باطل کی جنگ نہ تھی۔یہ درست ہے کہ اس کی لپیٹ میں وہ اہل حق بھی آ گئے تھے۔جو نہ چاہتے ہوئے اس میں شامل ہو گئے۔یا کسی ایک فریق کو دوسرے فریق سے کم برا سمجھتے ہوئے اس کی حمایت میں لگ گئے۔اللہ نے قرآن میں فرمادیا ہے کہ اگر چہ کافر ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن وہ جسم واحد کی طرح ہیں۔

چونکہ ہٹلر فری میسنوں کے کنٹرول کی حدود سے پوری طرح واقف نہیں تھا،اس نے ان سے ٹکر لینے کی حماقت کی۔دوسری طرف فری میسنوں کو اپنی جیت کا یقین تھا۔بلکہ انہیں ہٹلر کو اس جنگ میں ڈالنے سے بھی پہلے پتہ تھا کہ جیت انہی کی ہوگی۔اس جنگ کا ایک مقصد ان علاقوں پر اپنا قبضہ بڑھانا تھا جو روس کے زیر اثر ہو گئے تھے۔اسی لئے جنگ جرمنی کے خلاف لڑی گئی۔روس کے خلاف نہیں گو روس نے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پولینڈ اور آدھے جرمن پر قبضہ کر لیا۔فری میسنوں کی ایک فکر یہ تھی کہ دوسری جنگ عظیم کے اصل حقائق اور عزائم پر پردہ پڑا رہے اس سے انہیں دوہرے فائدے ملنے

تھے: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے عوام کی نظر میں ہٹلر کے خیالات کو گرانے میں آسانی ملے گی دوسرا یہ کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ اس طرح کے خیالات کے دنیا پر کتنے مہلک اثرات ہو سکتے ہیں۔

ہٹلر کے خیالات میں خاص طور پر اس کی سود پر مذمت کو نشانہ بنایا گیا کہ یہ ایک جنونی آدمی کے خیالات ہیں۔اس کے اور اس کے ماننے والوں کے خیالات کو نسلی تعصب قرار دیا گیا۔حالانکہ ہٹلر اصل میں ایک گمراہ شخص تھا جس نے اپنے غلط طریقوں سے یورپ کو فری میسنوں سے نجات دلانے کی ناکام کوشش کی۔

بہت اہم(Very Important) :

ہٹلر کے بہت سے خیالات یا تو مشہور کتاب پروٹوکول(The Protocols) سے ماخوذ تھے یا انہیں اس کتاب کے حقائق سے تقویت ملی تھی۔یہ کتاب ۱۹۰۵ء سرجیائی نائلس(Sergye Nilus) نے روسی زبان میں شائع کی تھی۔کمیونسٹ دور حکومت میں اس کو شائع کرنا بلکہ اس کی ملکیت بھی ایک ایسا جرم تھا جس کی سزا موت تھی۔اس کتاب میں تھوڑی سی لیکن قیمتی معلومات مہیا کی گئی تھیں جو فری میسنوں کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتی تھیں۔ان نئی سرگرمیوں سے وہ دنیا میں ایک نئی ترتیب لانا چاہتے تھے۔

ہٹلر کے خیالات اور مشاہدات کو پروٹوکول کی مہیا شدہ معلومات سے تقویت ملی۔ہٹلر کا مشاہدہ تھا کہ فری میسنوں کی دنیا کی سٹاک ایکسچینج پر آمریت ہے وہ خام مال کو کنٹرول کرتے ہیں اور زمین پر ان کا اثر ہے۔

اس موقع پر فری میسنوں نے مکمل طور پر میڈیا پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔سب سے پہلے تو انہوں نے پروٹوکول کو ایک جعلی دستاویز قرار دیا۔پھر یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں

بٹھا دی گئی کہ اس کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ درست نہیں ہے۔اخباروں میں اس کے متعلق مسلسل مضامین چھپتے رہے۔ بلکہ آج تک چھپ رہے ہیں پروٹوکول کے متعلق جو دو کہانیاں گھڑی گئیں ان میں سے ایک یہ تھی یہ اصل میں میکاولی اور مونٹسیکو کے ہونے والے طنزیہ ڈائیلاگ سے لیا گیا ہے۔اس کا اصل مقصد نپولین سوئم کے خلاف تھا اور یہ جرمن ناول پیارٹنز کا حصہ تھا دوسری کہانی یہ تھی کہ یہ روسی سیکرٹ سروس نے پیرس میں فرانسیسی وکیل ماریس جولی کی تحریروں سے اخذ کی تھی یہ تحریریں انیسویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی تھیں۔

اس میڈیا تحریک کا انجام فری میسنوں کی کنٹرول شدہ کورٹ میں مقدمہ پر ہوا۔اس مقدمہ میں سوس سول کوڈ کے تحت ۴۰ دفاعی گواہوں میں سے ایک گواہ کو شہادت کے لئے منتخب کیا گیا اور مقدمہ کرنے والوں کے لیے سرکاری سٹینوگرافر کی بجائے پرائیوٹ سٹینوگرافر مقرر کیا گیا۔جس نے مقدمہ کی ساری کاروائی کو قلمبند کیا۔اس کے بعد مقدمہ کرنے والوں کے ۱۶ گواہوں کی گواہی کو قلمبند کیا گیا اور اس طرح فیصلہ سنایا گیا کہ پرٹوکول ایک جعلی دستاویز تھی، یہ پیرس کی سیکرٹ پولیس کی مدد سے بنائی گئی تھی۔یہ بات حیران کرنے والی نہیں تھی کہ مقدمے کی ان بنیادی بے قاعدگیوں کی وجہ سے سوس اپیل کورٹ نے اس فیصلہ کو نومبر ۱۹۳۷ء میں غلط قرار دے دیا تھا۔

اگرچہ خازار یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ پروٹوکول ایک جعلی دستاویز ہے اور انہوں نے اس کی اشاعت کو روکنے کی بھرپور کوشش کی، اب تک کے ہونے والے واقعات اس دستاویز کی تصدیق کرتے ہیں۔جس کی نشاندہی ۱۹۲۱ء میں ہینری فورڈ نے کی ہے حتٰی کہ ابھی تک کے حالات بھی اسی کی تصدیق کر رہے ہیں۔اس میں بین الاقوامی طور پر یونائیٹڈ

نیشنز لیول پر پولیس سٹیشن کا وجود میں آنا، کمیونٹی کے طور پر ٹیکسوں اور سود کے ذریعے سے اقتصادیات کا کھوکھلا ہونا اور انفرادی سطح پر فرد کا پریشان ہونا اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہونا ہے۔لوگوں (جو یہودی نہیں ہیں) میں باطل سیاسی اور سوشل نظریات کا پھیلانا بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔اسکے علاوہ میڈیا کا استعمال اور کھیلوں کو عبادت کی جگہ استعمال کرنا بھی اسی تحریک کا حصہ ہے۔جعلی اسے کہتے ہیں جو اصل کی نقل ہو یا اصل ہونے کا دعویٰ کرے ایک عمدہ جعلی چیز وہ ہوتی ہے جو اصل سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہو۔اس کا مطلب جعلی چیز بھی اصل کی ترجمانی کرسکتی ہے۔

اگر یہ بات مان لی جائے کہ پروٹوکول ایک جعلی دستاویز ہے (گو یہ بات کبھی بھی ثابت نہیں کی جاسکی) پھر بھی اس کے اندر جو کچھ کہا گیا ہے وہ بہت کچھ حقیقت پر مبنی ہے جیسا عذرا پاؤنڈ کی تحریروں کے ساتھ کیا گیا ویسے ہی فری میسنوں نے پروٹوکول کی تحریروں کی اشاعت کو مکمل طور پر روکنے کی کوشش کی۔

اسی طرح الفریڈ روزن برگ(Alfred Rosenberg) کی تحریروں کو اشاعت سے روکا گیا کیونکہ اس نے پروٹوکول پر بہت کچھ لکھا تھا اس کے علاوہ اس نے روسی انقلاب میں فری میسنوں کے کردار کی نشاندہی کی تھی، وہ ہٹلر کا دست راست تھا۔ہٹلر کی تحریر کردہ دستاویزات کو بھی اشاعت سے روکا گیا کیونکہ یہ فری میسنوں کے اصل کردار کو نمایا کرسکتی تھیں۔سینکڑوں کتابیں اور پروگرام میڈیا کے ذریعے منظر عام پر لائے گئے تاکہ ہٹلر کے خیالات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاسکے۔بہت کم لوگ آج اس بات سے واقف ہیں کہ ہٹلر نے کیا کہا تھا اور اس کے خیالات کیسے تھے؟ اس کے خیالات پر ایک جذبات کی چادر چڑھادی گئی ہے تاکہ لوگ اس پوزیشن میں ہی نہ رہیں کہ اس کے خیالات پر ایک غیر

جذباتی ناقدانہ نگاہ ڈال سکیں۔ بلکہ اگر آج کسی شخص سے ہٹلر کے مظالم کی داستان بیان کرنا شروع کر دیں کہ وہ ایک ایسا ظالم تھا جس نے یہودیوں پر ظلم ڈھائے اور اس ظلم کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ یہودی تھے تو وہ کیا سمجھے گا۔ یہ درست ہے کہ ہٹلر کچھ یہودیوں سے نفرت کرتا تھا اور اس کی وجوہات سمجھی جاسکتی ہیں۔

جہاں تک ہٹلر اور اس کے رفقاء کے عمل (نہ کہ خیالات) کا تعلق ہے وہ واضح طور پر ظالمانہ تھے اور اس بات سے فری میسنوں کو موقع مل گیا کہ وہ ان کو مزید ظالمانہ بنا کر پیش کریں اور انہوں نے اس کا فائدہ اٹھا کر ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کو ایک ایسا پاگل گروہ قرار دیا جو سارے یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا تھا تا کہ آربن نسل کی حکمرانی قائم کی جاسکے۔ انہوں نے میڈیا کے جذباتی رنگ میں استعمال سے ہٹلر کو ایک نفسیاتی مریض دکھایا کہ وہ ایسا شخص ہے جو ایک ایسی سازش سے ڈر رہا ہے جس کا وجود تک نہیں اس طرح کو یہودی سے متعلق متعصب قرار دے گیا۔ یقیناً اس میں کچھ حقیقت بھی تھی لیکن اسے مکمل حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا اور اسطرح حقیقت کا ایک بڑا حصہ عوام کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔

ڈگلس ریڈ جو ۱۹۳۰ء میں یورپ اور بلقان کیلئے ٹائمز کا صحافی تھا اس نے اپنی کتاب صیہونی مسئلہ میں لکھا ہے جرمنی میں یہودیوں پر مظالم کے بارے میں غیر جانبدارانہ تجزیے نے سیاسی تصویر کشی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور یوں حقیقت گم ہو گئی۔ یہ واقعہ تین منازل میں ظہور پزیر ہوا: پہلے اس موضوع کا نام، سیاسی مخالف اور یہودی ، بعد میں اس موضوع کا نام یہودی اور سیاسی مخالف رکھا گیا اور آخر میں صحافت نے صرف ایک موضوع پر لکھا اور وہ تھا یہودیوں پر مظالم، اس طرح سیاسی مخالفوں پر ہونے والے

مظالم کی داستان کو ایک گروپ تک محدود کر کے حقائق کو چھپا لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۵ء میں نیورمبرگ کے مقدمہ میں یہودیوں کی کہانی کو اہم موضوع بنایا گیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مجموعی طور پر مظالم میں یہودی محض ایک معمولی سی تعداد کی ترجمانی کرتے تھے۔

ڈگلس ریڈ مزید لکھتا ہے جب مظالم شروع ہوئے تو میں نے ایسے لکھا جیسے جیسے میں نے دیکھا۔ اگر میں نے ایک ہزار قیدیوں کے کیمپ کا سنا تو میں نے اسے رپورٹ کیا اگر ان ایک ہزار میں تیس یا پچاس یہودی تھے تو میں نے اسے رپورٹ کیا میں نے متاثرین سے بات کی ان کی چوٹوں کا معائنہ کیا گو مجھے بتایا گیا کہ گسٹاپو میرے خلاف ہوسکتی ہے۔ زیادہ تعداد ان متاثرین کی، تقریباً ۹۰ فی صد جرمن تھے اور بہت تھوڑے یہودی تھے۔ یہ جرمن کی آبادی تناسب تھا اسی طرح جہاں جہاں ہٹلر کی حکومت ہوئی متاثرین میں یہودیوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے رہی لیکن دنیا کی پریس میں متاثرین کی اکثریت کو رپورٹ نہیں کیا بلکہ صرف یہودیوں کو رپورٹ کیا اسی طرح سویت فوجیوں نے بھی کیمپوں میں مظالم اپنے سیاسی مخالفین پر ڈھائے۔ جنگ سے پہلے انہوں نے پولینڈ اور بعد میں ایسٹ جرمن پر قبضہ کر لیا انہوں نے زیادہ تر کیمپوں پر قبضہ کیا۔ ڈگلس ریڈ نے لکھا کہ ویسٹرن عوام کو جرمن میں اتحادی قبضے میں ہونے والے واقعات کی خبر نہ تھی اور اگر ان کی خبر ہوتی تو ردعمل مختلف ہوتا۔ وہ بھی جنگ کا کیمونسٹ آئیڈیا تھا جیسے ہٹلر نے قتل کیا اور ریڈ آدمی کے مظالم کو ہونے دیا گیا۔ جب اتحادی ان شہروں میں داخل ہوئے تو سکرین میں ڈھانچوں کے انبار دکھائے گئے لوگوں نے ان ڈھانچوں کو یہودی سمجھا اور یہ بات ان کے دہنوں میں پریس نے بٹھا دی کہ یہ سب لاشیں یہودیوں کی ہیں۔ وہ مسلسل بڑھتے رہے نازی گیس چیمبر یہودیوں کے لئے نہ تھے۔ عوام میں سے بہت کم نے اس بات کو جاننے کی

زحمت کی کہ حقیقت میں یہ لوگ کون تھے جن کی لاشیں انہیں دکھائی جارہی تھیں۔ایک جرمن عورت جوان کیمپوں میں ۵ سال رہی (ریونس برک کیمپ) اس کا کہنا ہے کہ ان مظالم کا شکار ہونے والوں میں سب سے پہلے بیمار اور کمزور لوگ تھے جو کام نہیں کر سکتے تھے پھر جو کمتر قومیں تھیں ان کی باری آئی اور ان میں چیک بالٹ اور ہنگری کے لوگ تھے۔

اس طرح مرنے والوں کی طرف توجہ کم دی گئی اور جو لوگ ان کیمپس سے زندہ لائے گئے وہ توجہ کے مستحق ہوئے آج یہ بات محض تاریخ کا حصہ بن گئی ہے کہ وہ نازی کیمپ جو اصل میں کمیونسٹ کیمپ تھے اور ان میں یہودی ظلم کرنے والے تھے اور کمیونزم خلاف بات کرنے والوں پر اصل ظلم ڈھائے گئے یہی کیمپ بعد میں نازیوں نے استعمال کئے۔

ڈگلس ریڈ نتیجہ اخذ کرتا ہے:

کمیونسٹوں نے ان کیمپوں کو بنایا اور لوگوں پر مظالم ڈھائے اور نہوں نے قتل کیا۔ ان میں اور جرمنوں میں فرق صرف یہ تھا کہ وہ زیادہ ظالم تھے کہ انہوں نے اپنے اتحادیوں کو قتل کیا چونکہ ایسٹرن یورپ کے یہودیوں نے کمیونزم کو اپنایا تھا۔ وہ ان مظالم میں شریک تھے۔ظاہر ہے ہر قوم کی طرح یہودیوں میں بھی برے اور اچھے لوگ موجود ہیں لیکن یہ حقائق عوام سے پوشیدہ رکھے گئے اور لوگوں کو یہ خبر بار بار سنائی گئی کہ نازی کیمپوں میں صرف یہودی تھے اور وہ مظالم کا شکار ہوئے۔حقیقت یہ ہے کہ بعد میں نازیوں نے جن کیمپوں پر قبضہ کیا ان میں یہودیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ جنگ کے آخری تین سالوں میں ظلم کرنے والے اصل میں کیونسٹ تھے اور ان مظالم میں یہودی بھی شریک تھے۔میڈیا اصل میں کمیونسٹ تھا جبکہ میڈیا اصل میں یہ بات لوگوں کو بتانا چاہتا تھا کہ ہٹلر کے فری میسن کے

متعلق خیالات میں کوئی سچائی نہیں اور اس کے اعمال کی اسے سزا ملنی چاہیے۔ اس پروپیگنڈہ کا منطقی انجام نیومبرگ مقدمہ پر ہوا۔ یہ تاریخ کا ایسا مقدمہ ہے جسے بہت احتیاط سے ڈرامائی بنایا گیا۔ میڈیا نے اس مقدمے کو انسانی حقوق اور انصاف کے لئے مثالی اور تاریخی قرار دیا۔

میڈیا میں ان خیالات کا اظہار کیا گیا کہ ملزم تو اس قابل بھی نہیں تھے کہ انہیں مقدمے کا اختیار دیا جاتا یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں مقدمہ لڑنے کا اختیار دیا گیا کیونکہ انہیں تو فوراً قتل کیا جانا چاہیے تھا یہ فریب ابھی تک چل رہا ہے۔ اس مقدمے کے ریکارڈ کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نتیجہ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے طے کرلیا گیا تھا اور اس کا مقصد ملزمان پر تشدد کرنا تھا۔ اور پھر انہیں یہودیوں کے انصاف کے دن پھانسی دے دی گئی۔

مقدمہ کا ریکارڈ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ کیسے کافر لیگل اور میڈیکل سسٹم مل کر اپنے مخالفین کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتے ہیں لیکن یہ ان لوگوں کو پتہ چل سکتا ہے جو میڈیا کے چکر سے نکل سکیں۔

عذرا پاؤنڈ کے برعکس جس کے سیاسی نظریات کو اس قدر شہرت نہیں ملی تھی۔ ہٹلر نے جرمن پروپیگنڈہ مشین کے ذریعے سے اپنے نظریات کو مشہور کر دیا تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ انہیں نظر انداز کیا جا سکے۔ پاؤنڈ کے خیالات کا توڑ یہ نکالا گیا کہ اسے خاموش کر دیا گیا لیکن ہٹلر کے خیالات کو بے اثر کرنا ضروری سمجھا گیا اور اس طرح انہیں مضحکہ خیز قرار دے کر لوگوں کے ذہنوں سے نکالا گیا۔ یہ اس وقت ممکن تھا کہ ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کو ظالم اور وحشی سائکو پتھ ثابت کر دیا جائے اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ جہالت کا شکار تھے اور

انہوں نے جرمن قوم کو یرغمال لیا تھا اور اس طرح یورپ میں یہودیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی بلکہ انہیں جنگ عظیم میں جھونک دیا۔

اس طرح کا تاثر نیورمبرگ مقدمہ سے لوگوں پر پڑا کہ بین الاقوامی قانون جو اصل میں خود ساختہ انصاف اور استحصالی عناصر کا ترجمان ہے، کے ذریعے سے اور اس کے نام پر الفاظ اور اعمال کا ایسا تانا بانا قائم کیا گیا کہ ہٹلر کے بارے میں یہ تصویر قائم ہوگئی اور اسے فری میسن میڈیا نے چاروں طرف پھیلا دیا۔

یہ ضروری تھا کہ ملزمان کو فٹ ثابت کیا جائے اگر چہ بعد میں انہیں ذہنی مریض ہی سمجھا گیا۔ اگر ان میں سے ایک بھی خود کو مقدمہ کے لئے ان فٹ قرار دینے کی درخواست کرتا تو ان کی کردار کشی کی جو تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی گئی تھی، وہ کمزور پڑ جاتی اس لئے ایسے میڈیکل ایکسپرٹ کا انتخاب کیا گیا کہ جو ملزمان کو ذہنی طور پر فٹ قرار دیں اور اس میں حیرانی کی بات نہیں کہ سب کا یہ متفقہ فیصلہ ہو گیا مقدمہ سے بچنے کا واحد طریقہ خودکشی تھا، جو بہت کم لوگوں نے کیا۔ جس طرح عذرا پاؤنڈ کے ساتھ ہوا، ان لوگوں کو علیحدہ جیلوں میں رکھا گیا ایسی قید تنہائی میں جو کئی ماہ پر مشتمل تھی، ان پر روشیش ٹیسٹ کئے گئے یہ ٹیسٹ ایک نفسیات دان ڈاکٹر نے بنائے تھے گو اس ڈاکٹر نے بعد میں نئے سال کے آغاز پر خودکشی کر لی تھی۔ اللہ نے قرآن میں واضح کیا کہ جو انبیاؑ کی تعلیمات پر نہیں چلتا وہ خود کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔

یہ نفسیات دان ڈاکٹر، نیومبرگ مقدمہ میں اہم ڈاکٹر کے طور تھا لیکن اسے ناموزوں خیال کرتے ہوئے ایک اور امریکن ڈاکٹر کو اس کام لئے منتخب کر لیا گیا۔ اس شخص نے روشیش ٹیسٹ کئے اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج پر ضخیم کتابیں لکھیں۔ روشیش

ٹیسٹ کی بنیاد یہ ہے کہ مریض کو بہت سے سیاہی کے دھبے والے کاغذ دے دئے جاتے ہیں ان کاغذوں کے مختلف رنگ اور شکلیں ہوتی ہیں۔ مریض ان کاغذوں پر ایک زبانی ردِ عمل ظاہر کرتا ہے جب وہ انہیں دیکھتا ہے پھر میڈیکل ماہرین اس ردعمل سے نتیجہ نکالتے ہیں۔ ان کے نزدیک مریض کا ردعمل اس کی ذہنی حقیقت کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس ٹیسٹ کے نتیجہ میں نازیوں کو انسانیت سے نیچے کے ذہنی مریض اور بہت خطرناک قرار دے دیا گیا۔

ان ٹیسٹوں کا بنیادی نظریہ ہے کہ یہ ٹیسٹ کسی انسان کے نارمل اور غیر نارمل، ذہنی طور پر درست اور غیر درست کے درمیان وضاحت کر سکتے ہیں یہ بنیادی نظریہ ہی غلط ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ کافر کی نارمل، غیر نارمل، ذہنی طور پر درست اور غیر درست کی تعریفیں غلط ہیں اور حقیقت پر پردہ ڈالتی ہیں بلکہ اس لئے کہ استعمال کیا گیا طریقہ بھی غلط تھا۔ یہ طریقہ ان میڈیکل ماہرین کی اپنی ذہنی حالت کو نظر انداز کئے ہوئے تھا۔ اس بات میں کسی حد تک سچ ہے کہ مریض جو دیکھتا ہے اور کہتا ہے وہ اس کی ذہنی حالت کی عکاسی کر رہا ہوتا ہے؛ دوسرے لفظوں میں جو نتیجہ نیورمبرگ کے ملزمان کے لئے نکالا گیا تھا وہ اصل میں میڈیکل ماہرین کی اپنی ذہنی حالت کی وضاحت کرتا ہے۔

زندگی کی حقیقت کی اس وحدت سے کافر میڈیکل ماہر آگاہ نہیں ہے کہ جس مریض کی ذہنی حالت پر وہ تبصرہ کر رہا ہوتا ہے۔ وہ تبصرہ اصل میں اس کی اپنی حالت کا عکاس ہوتا ہے۔

نیورمبرگ کے مقدمہ میں ملزم اور مدعی ایک جیسے تھے۔ جج کرنے والوں اور جج ہونے والوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ کافر نظریہ حیات کی خاص بات کافر کا زندگی کی حقیقت

سے نا آشنا ہونا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ اس کے علم کی وجہ سے جو درحقیقت معلومات کا ایک ذخیرہ ہے وہ زندگی کے متعلق نظریہ بنانے کا اہل ہو گیا ہے، ایسا نظریہ جس میں خود کو ملوث نہیں کر پاتا؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وجود میں علیحدہ علیحدہ ٹکڑے نہیں ہیں، اس کی حقیقت میں وحدت ہے۔

اگر چہ کوئی کتنا بھی انکار کرے، اپنے وجود کی وحدت سے علیحدہ ہونا ممکن نہیں مخلوق دوسروں میں وہی کچھ دیکھتی ہے جو ان کے اپنے دلوں میں ہوتا ہے۔ دنیا سے جو کچھ آپ کو ملتا ہے وہ آپ کی اپنی آواز کی بازگشت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اصل ڈاکٹر صرف اللہ کے ولی ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے دل خفیہ بیماریوں کے علاج کی اجازت ہوتی ہے اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ ہی ہیں جو چیزوں کو اس طرح دیکھ سکتے ہیں جیسی وہ ہیں۔ کافرمیڈ کل ایکسپرٹ ایک دھوکے کو حقیقت کے روپ میں دیکھتے ہیں۔ اللہ کے ولی حقیقت کو حقیقت سمجھ کر دیکھتے ہیں پھر اللہ کیے ولی جھوٹ نہیں بول پاتے۔ ان کی صحبت میں لوگوں کو اپنے آپ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور چونکہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اِذن سے ہوتا ہے،۔ وہ اپنی خدمات کے عوض پیسہ حاصل نہیں کرنا چاہتے یہ اہل حق کی ایک نشانی ہے کہ وہ اہل حق ہونے کے عوض کچھ مانگتے نہیں؛ یہ بات کافرمیڈ یکل ایکسپرٹ کا بالکل الٹ ہے۔

انہی وجوہات کی بناء پر اللہ کے ولی ہی وہ لوگ ہیں جن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں میں حق و باطل کا فیصلہ کر سکیں۔ اگر کبھی ایسے فیصلے کی ضرورت پیش آئے اس لئے کہ ان کا قانون یعنی حق و باطل میں تمیز (انصاف اور نا انصافی میں تمیز) کی بنیاد قرآن

ہےاور حدیث ہے۔

چونکہ وہ اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اس لئے اللہ سے جو کچھ آیا ہے اس کا بھی بہت علم رکھتے ہیں اور اس وجہ سے وہ فیصلے کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں پاکیزگی ہوتی ہے وہ بہتر دیکھ سکتے ہیں، چونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ ذاتی اغراض اور لالچ کی بنیاد پر کاموں کو نہیں کرتے؛ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ آگ کی طرف جائیں گے اور مزید یہ کہ وہ اللہ میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ ان کی ذاتی حیثیت اور ذاتی خواہش رہتی ہی نہیں کہ ذاتی اغراض ان کا پیچھا کرلیں اس لئے لالچ کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ کے ولی کا فرلیگل ایکسپرٹ کا مکمل متضاد ہیں۔ یہ لیگل ایکسپرٹ چونکہ حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں اس لئے اس پوزیشن میں نہیں ہوتے کہ کسی معاملہ میں فیصلہ دے سکیں۔ نیورمبرگ مقدمہ کو حل کرنے کے لئے امریکی اور برطانوی قانونی ماہرین نے جو تحریری دستورالعمل تیار کیا تھا اس میں اس بات پر یقین کرلیا گیا تھا کہ اس مقدمہ کے مطلوبہ مقاصد کو آسانی سے حاصل کیا جا سکے۔ جرم کی سرکاری قانونی تعریف ایسی کی گئی کہ وہ سرکاری وکلاء کے حق میں تھی اور ان تعریفوں کے مطابق ایک بچہ بھی ملزمان کو مجرم ثابت کرسکتا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مقدمے کو کسی موجود قانونی دستور کے مطابق نہیں چلایا گیا کیونکہ ایسا کرنے سے مقدمہ ثابت کرنا بہت مشکل ہو جاتا اور یہ بہت وقت لیتا اور مہنگا پڑتا۔ البتہ فری میسن قانونی ماہرین نے صرف اس مقدمے کے لئے ایک علیحدہ قانونی ضابطہ ترتیب دیا جس میں خصوصی قوانین/طریقہ شہادت و گواہی اور جرم کی خاص تعریفیں کی گئیں۔ مثال کے طور پر اگر ملزمان کو انگلش میں آف لارڈز یا کورٹ آف اپیل میں اپیل

کرنے کا حق دے دیا جاتا تو یہ سارا لیگل ڈھانچہ غیر قانونی قرار دیا جاتا اور ملزمان آسانی سے رہا ہو جاتے۔ ملزمان پر چار بڑے الزم عائد کئے گئے لیکن ان جرائم کی تعریفیں اتنی مبہم تھیں، کہ تمام جنگوں کے بہت سے طریقے جرم بن گئے تھے، حالانکہ یہ طریقے دونوں فریقین نے استعمال کئے تھے۔ ان جرائم میں انسانیت کے خلاف جرم، جنگی جرائم، امن تباہ کرنے کا جرم اور سازش کرنے کا جرم شامل تھا۔ حالانکہ فری میسن خود بھی انہی جرائم کے مرتکب تھے اس دستوری ڈھانچہ میں یہ کہا گیا کہ جرائم کی مرتکب کسی پارٹی سے منسلک ہونا بھی جرم ہے اور چارٹر نے جرمن حکومت کے سارے اداروں کو مجرم قرار دیا؛ لیکن ان کی مخالف فریق اتحادی حکومتوں کو ان جرائم سے بالاتر قرار دے گیا گیا حالانکہ جنگی حکمت عملی سب کی ایک جیسی تھی۔ اس طرح حکومت کے کسی ادارے سے منسلک ہونا خود بخود اس قانون کے مطابق مجرم ثابت کیا جا سکتا تھا۔ اب آدھی سے زیادہ جرمن آبادی خود بخود اس قانون کے مطابق مجرم ثابت کی جا سکتی تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ فری میسن جرمنوں پر وہ الزام دے رہے تھے، جس کو ہٹلر نے ناکام طریقے سے ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح فری میسنوں نے اپنے جرائم پر پردہ ڈال دیا۔ لگتا ہے کہ وہ اپنے اس ارادے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے ہیں کہ اس تحریر کے لکھنے تک ان جرائم سے پردہ نہیں اٹھایا جا سکا۔

نیورمبرگ چارٹر نے جرمن اداروں کو مجرم بنا کر فری میسنوں کو یہ اختیار دیا کہ وہ جس کو چاہیں مجرم قرار دے سکیں اور اس طرح گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں رہی تھی۔ جب مقدمے کا عمل چل رہا تھا تو جرمن عوام میں اشتہار بانٹے گئے کہ ان اداروں کے اراکین خود کو قانون کے حوالے کر دیں اور اگر کوئی گواہ ہے تو وہ آگے آ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی گواہ آتا تو اسے بھی ان اداروں کا رکن ہونے کی وجہ سے مجرم بنا دیا جاتا، خاص طور پر

اگر وہ مجرم کے حق میں گواہ بن کر آتا۔ چنداسی طرح کے گواہ جو سامنے آئے انہیں قید تنہائی میں رکھا گیا اوران کو مجرموں کے کٹہرے میں ڈال دیا گیا، ان کی شہادت کی اہمیت ختم کر دی گئی اور یہ تاثر عوام کو دیا گیا کہ مقدمہ نمبر غیر جانبداری سے چلایا گیا ہے۔ لوگوں کو مجرم کی حیثیت سے سرکار کے حوالے کرنے اور اپنے رفقاء کے خلاف گواہی دینے کی ترکیب اصل میں کلیسائی عدالتوں کا پرانا طریقہ ہے، جو سپین اور قرونِ وسطیٰ کے عیسائیوں نے یہودیوں اور ایک خدا کو ماننے والے چرچ اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا تھا۔ نیورمبرگ کے مقدمے میں سرکاری وکیلوں نے یہی جذبہ استعمال کیا اور وہ بھی جانتے تھے کہ صدیوں قبل کلیسیائی عدالتوں نے اسی طریقہ کو استعمال کیا تھا۔ اصل میں وہ کلیسائی قانونی لوگ آج کل فری میسنوں کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔

آج کے کافر نظام نے اختیارات کی تقسیم کا جو ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ نیورمبرگ اس ڈھونگ کا پردہ چاک کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس مقدمہ میں قانون بنانے والے اور فیصلہ کرنے والے ایک ہی لوگ تھے اور انہوں نے اس مقدمے کی بنیاد کاغذی شہادت پر رکھی شہادت کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر جب فیصلہ کرنے والے پہلے سے ہی ملزمان کے خلاف ہوں۔

کاغذی شہادت کے بارے میں ویسٹ کے تمام قوانین کو غیر ضروری قرار دے دیا گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ نیوز مبرگ مقدمہ کافروں کے اپنے قوانین کے مطابق متعصب اور ناانصافی پر قرار دیا جائے گا بلکہ سرکاری وکیل نے تو یہ کہا کہ چونکہ ملزمان نے انٹرنیشنل لاء کی خلاف وردی کی ہے، ان پر یہ لاگو نہیں ہوتا۔ سرکاری وکیلوں کی طرف سے کاغذی شہادت کے لئے دوسرے اور تیسرے درجے کی شہادت کو قبول کر لیا گیا اور حتیٰ کہ

اگر اصلی دستاویز نہ بھی ہوتو کاپی کو ٹھیک قرار دیدیا گیا اس طرح بہت سی جعلی دساویزات بھی قبول کرلی گئیں۔

نیورمبرگ کے مقدمہ چلانے والوں نے آٹیکل '۱۸' اور '۱۹' جو کہ دستورالعمل کا حصہ تھے، اس کے تحت عدالت کو پابند کردیا تھا کہ مقدمہ تیز رفتاری سے چلنا چاہیے اور ہر وہ بات جس سے تاخیر ہو یا غیر ضروری ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ آٹیکل ۱۹ کے مطابق شہادت کے ٹیکنیکل اصولوں سے عدالت کو آزاد کردیا گیا تھا اور کسی بھی شہادت کو جسے وہ ضروری سمجھتی تھی قبول کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ نہ صرف ہر قسم کی دستاویزی شہادتوں کو پیش کرنے کی سرکاری وکیلوں کو اجازت دی گئی بلکہ دفاعی وکلاء کو ان کی پیشگی اطلاع کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی۔ اگر جرمن کے علاوہ کسی اور زبان میں دستویزات یا شہادتیں دستیاب تھیں انکا ترجمہ تک نہ کروایا گیا۔ دفاعی وکلاء کو آ۔ بی۔ ایم کی طرف سے مہیا شدہ ترجمے پر اکتفا کرنا تھا۔ دفاعی وکلاء کو آخری لمحے تک کسی تیاری کا موقع نہ دیا گیا اور نہ ہی ملزمان سے عدالت میں بات کرنے کی اجازت دی گئی۔ وہ صرف تحریر کے ذریعے ان سے بات چیت کرسکتے تھے۔ عدالت نے سرکاری وکیل کو اس چیز کی بھی اجازت دے دی تھی کہ وہ مقدمے میں غیر حاضر شہادتوں کو بھی پیش کرسکیں۔ اسطرح دفاعی وکلاء کے لیے بحث کرنا ناممکن بنادیا گیا۔ عام آدمی کو تو ایسے لگ رہا تھا کہ مقدمے میں بڑے انصاف سے کام لیا جارہا ہے۔ لیکن درحقیقت شہادتوں کو پیش کرنے اور قبول کرنے کا طریقہ نہ صرف تعصب پر مبنی تھا بلکہ عدالت اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتی اور قبول کرتی تھی۔ اصل میں نتیجہ اور فیصلہ پہلے ہی سے اخذ کرلیا گیا تھا۔ سرکاری وکلاء کو اسطرح بھی مدد ملی کہ ملزمان کو اپنے دفاع کے لیے وکلاء کی ایک مخصوص فہرست دی گئی تھی۔ اسطرح دونوں جانب

ہی فری میسن وکیل مہیا کیے گئے تا کہ مقدمے کہیں مشکل نہ پیش آئے۔ان میں ایسے وکیل بھی تھے جو امریکن اور برطانوی قوانین سے ناواقف تھے۔کوئی ایسا وکیل جو مقدمے میں سردردی کا باعث بن سکتا ہے اسے شروع ہی سے فہرست سے نکال دیا گیا تھا۔اگر چہ دستورالعمل کے مطابق ملزمان کو اپنے دفاع کا حق دیا گیا تھا،مگر حقیقت میں انہیں اس بات سے دور رکھا گیا تھا۔اسطرح انہیں کم سے کم بات کرنے کا موقع ملا اور کمزور وکیل مہیا کیے گئے۔سرکاری وکلاء کو ایک فائدہ دستاویزات کے سلسلے میں ہوا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد امریکہ اور برطانیہ نے دستاویزات کے سلسلے میں ایک خصوصی سیل قائم کیا اور جیسے جیسے اتحادی فوجیں جرمنی میں داخل ہوتی گئیں تو انہوں نے سرکاری دستاویزات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور لاکھوں کی تعداد میں دستاویزات اکٹھی کیں۔ماہرین ان سنٹرز میں بٹھا دیے گئے اور ان میں سے اپنی کام کی دستاویزات منتخب کر لی گئیں۔وہ دستاویزات جو مقدمے میں کام نہ آنے والی تھی انہیں ضائع کر دیا گیا یا انکو دفاعی وکلاء سے دور کر دیا گیا۔لیکن پھر بھی کچھ دستاویزات ان سنٹرز سے بچی رہیں جو ملزمان کے حق میں استعمال کی جاسکتی تھیں،مگر جیسے ہی اس بات کا علم ہوتا تو وہ دستاویزات اچانک غائب ہو جاتیں۔ سرکاری وکلاء کو دستاویزات تک مکمل رسائی دی گئی جبکہ دفاعی وکلاء کو ان سے دور رکھا گیا تھا۔ان ہتھکنڈوں سے دفاعی وکلاء کو مزید کمزور کر دیا گیا۔زیادہ سے زیادہ ان کے لیے ایک راستہ بچتا تھا کہ وہ جرم سے انکار کر سکتے تھے،لیکن دستاویزی شہادتوں کے ذریعے انکے انکار کو جھوٹ قرار دے دیا گیا۔یہ بات واضح رہے کہ نیورمبرگ کے مقدمے میں شامل لوگ جنگ کے دوران اموات کے ذمہ دار تھے۔اگر ان کو قتل کے مقدمے میں ڈالا جاتا تو وہ مجرم ٹھہرتے۔لیکن اس مقدمے کا محض یہ مقصد نہیں تھا کہ ہٹلر کے رفقاء کو جرم کے

بہانے ختم کر دیا جائے۔اصل مقصد اس مقدمے کے شور وغلغلہ کا یہ تھا کہ ایسا ماحول بنایا جائے کہ لوگوں کی توجہ فری میسن کی سازشوں کی طرف نہ آنے پائے۔اسطرح لوگ جنگ عظیم دوئم کی وجوہات اوران جنگوں کو لانے والوں کی حرکات کا پتہ چل سکتا تھا۔فری میسن فرعون کے جادوگروں کی طرح جادوگر ہیں۔ وہ لوگوں پر جادو کرنے کے ماہر ہو چکے ہیں۔وہ عوام کو اسطرح مسحور کر لیتے ہیں کہ پھر انہیں کنٹرول کرنا اور اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنا ان کے لیے ممکن ہو جاتا ہے۔ نیورمبرگ مقدمہ اس سحر کا مظہر تھا۔اس جادو میں میڈیکل اور قانون کے ماہرین نے ملکر ڈرامہ سجایا تھا۔فری میسن کے میڈیا نے اس مقدمے کو اور بھی شہرت دی اور اسطرح لوگوں کے اذہان پر یہ تاثر بٹھا دیا گیا کہ ان جنگی مجرموں کو ایک انصاف پر مبنی مقدمے کے عمل سے گزارا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے۔کافر میڈیا سسٹم کا یہ کردار پہلے بھی اور اب بھی بہت اہم ہے۔

ایک خاص تصویر دکھانا اتنا مشکل نہیں تھا۔اصل بات یہ تھی کہ یہ تصویر عوام کی اکثریت میں اسطرح پہنچے کہ ان کے اذہان سے محو نہ ہو سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسا ہی ہوا۔اور یہ اس بات کا مظہر ہے کہ فری میسن کتنے طاقتور اور کتنے کنٹرول کرنے والے ہیں۔ بڑے بھائی ہر وقت آپکو دیکھ تو نہیں سکتے لیکن مسلسل آپکے ذہن کو کنڈیشن اور پروگرام کر رہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ نیورمبرگ کے مقدمہ میں الزام لگانے والوں اور ملزمین میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔اصل میں جنگ عظیم دوئم کافروں کے اندر طاقت کے حصول کی جنگ تھی۔قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ کافر بظاہر ایک ہوتے ہیں لیکن وہ آپس میں بھی لڑتے رہتے ہیں اور اسطرح خود کو تباہ کرتے رہتے ہیں۔اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ جو لوگ انبیاؑ کی تعلیمات سے دور ہیں وہ خود کو تباہ کرنے والے ہیں۔

نیورمبرگ مقدمے کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر آپ آج کسی گلی یا بازار میں کسی کو لفظ ہٹلر، نازی یا نیورمبرگ مقدمے کے متعلق بتائیں تو خاص طور پر اس شخص کو جو عام تعلیمی اداروں اور میڈیا کے سحر سے گزرا ہو، اسکے ذہن پر ۶ ملین یہودیوں کے قتل اور تشدد والے کیمپس نمودار ہوجائیں گے۔ حالانکہ ان مقدمات کے درمیان کبھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہودیوں کے ساتھ اس طریقے سے اور اتنی تعداد میں ظلم ہوا تھا۔

جب فری میسن ۶ ملین کی تعداد کو لوگوں میں عام کرنے کے متعلق فیصلہ کررہے تھے تو صیہونیت کے ایک بڑے علمبردار نے **۶ ملین کی تجویز پیش کی اور کہا کہ لوگ جھوٹ کو تو نہیں مانیں گے لیکن بڑے جھوٹ کو قبول کرلیں گے۔**

ڈگلس ریڈ نے اپنی کتاب ''صہونیت کے مسئلے'' میں لکھا ہے کہ ۶ سالہ جنگ میں جرمن، جاپان اور اٹلی نے ۸،۲۴،۹۲۸ لوگ ختم کیے، ان میں امریکی، برطانوی اور شہری لوگ شامل تھے۔ اکیلے جرمنوں سے اتنی تعداد میں: یعنی ۶ ملین کی تعداد میں قتل ممکن ہی نہیں تھا۔ اگر انکے پاس میں اتنی تعداد میں لوگ اور ہتھیار ہوتے تو وہ جنگ ہی جیت جاتے۔ پُرتشدد کیمپ کا تصور میڈیا نے بھی ایسا کھینچا تھا کہ لوگوں میں جذباتی کیفیت پیدا کردی گئی تھی۔ جنگی قیدیون کے کیمپ کا تصور اصل میں برطانیہ نے شروع کیا تھا۔ جب بھی بڑی جنگیں ہوئیں ان میں قیدیوں کے لیے کیمپ بنائے گئے تھے۔ یہ کیمپ کبھی بھی خوشگوار رہنے کی جگہیں نہیں تھیں، خاص طور پر اگر ان کو بنانے والے کیمونسٹ ہوں تو!

حقیقت یہ ہے کہ جنگ کرنے والے، کروانے والے اور اس کو چلانے والے طریقوں کو نیورمبرگ مقدمے میں ایک جرم بتایا گیا تھا۔ اسکے مجرم کٹہرے کے دونوں

فریقین تھے۔کافر جنگ میں معصوم لوگوں کو بھی نہیں بخشتے۔جبکہ جہاد میں صرف اللہ کے لیے لڑا جاتا ہے اور اس میں معصوموں کو شامل نہیں کیا جاتا، غصے میں دوسروں کو قتل نہیں کیا جاتا۔اور اس میں مجاہدین کو، شہید ہونے والوں کو سیدھا جنت میں بھیجا جاتا ہے۔کافر کو چونکہ مرنے کے بعد کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا، وہ دوسروں کو قتل کرنے میں بے پرواہی سے کام لیتا ہے۔مومن کو چونکہ مرنے کے بعد کی زندگی کا پتہ ہوتا ہے، اس لیے وہ دوسروں کو، غیر متعلقہ لوگوں کو قتل کرنے سے گھبراتے ہیں۔کیونکہ ایسا کرنے سے وہ خود جہنم میں جا سکتے ہیں۔آج کے دور میں جب لوگوں کو قتل کرنے کی ٹیکنالوجی میں بہت ترقی کر لی گئی ہے تو کسی معصوم کی جان لینے والوں کو قرآن کی اس آیت سے ہوشیار رہنا چاہیے:

ہم نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ جو کوئی بھی کسی انسان کو زمین میں فساد سے ناحق قتل کرے تو ایسا ہے جیسے اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا اور اگر کوئی ایک زندگی بچاتا ہے تو ایسا ہے گویا کہ ساری انسانیت کو اس نے بچالیا۔

اسطرح سے دیکھا جائے تو تعداد کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔اگر ناحق قتل کیا ہے تو چاہے وہ چھ لاکھ ہوں یا سات ہزار ہوں یا ساٹھ ہزار ہوں، حتٰی کہ ایک بھی انسان ناحق قتل کیا جاتا ہے تو یہ اتنا ہی برا ہے۔اور اگر کسی نے ایک مومن کو قتل کیا تو اسکا ٹھکانا جہنم ہے اور اللہ کا غضب اس پر ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

یہ دلچسپ بات ہے کہ نیورمبرگ مقدمے میں مرنے کے بعد کی زندگی کو بالکل سامنے نہیں رکھا گیا۔اگر چارٹر کو صحیح طور پر دیکھا جائے تو فریقین مجرم تھے خاص طور پر فری میسن کہ جنہوں نے جنگ کا منصوبہ بنایا تھا۔البتہ فاتحین میں اس پوزیشن میں تھے کہ جو چاہتے کر گزرتے۔جیسا کہ جسٹس ہومز (Holmes) نے کہا ہے کہ تاریخ وہ ہے جو جیتنے

والا لکھتا ہے اور بناتا ہے۔

یہ دلچسپ بات ہے کہ جنگ عظیم دوئم کے بعد جو چھوٹی جنگیں فری میسنوں نے کروائی تھیں ان میں خاص طور پر امریکیوں اور برطانویوں کے کام وہی تھے جو جرمنوں نے کیے تھے۔لیکن ان پر کسی ٹریبیونل کے سامنے مقدمہ نہیں چلایا گیا بلکہ جمہوریت، آزادی اور انصاف کے الفاظ کے ساتھ انکو بہادری کے تمغات سے نوازا گیا۔اور ان کے مخالفین کو کیمونسٹ، دہشت گرد، بنیاد پرست کے القابات سے نوازا دیا گیا۔اس لیے کہ فری میسن میڈیا کو کنٹرول کر رہے ہیں اور جسے چاہیں دشمن قرار دیکر ایسے الفاظ سے وابستہ کر دیتے ہیں کہ جس سے سامعین میں فوراً ایک جذباتی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔خاص طور پر ایسے سامعین جن کی ذہنی کیفیت کو مغربی میڈیا نے ایک خاص سمت میں ڈھال دیا ہو۔اس جذباتی کیفیت سے فوراً ایسے دشمنوں کو رد کرنے اور انکی مذمت کرنے کا عمل پیدا ہو جاتا ہے۔اور اس طرح میڈیا جنہیں دشمن قرار دے رہا ہے، انکی حقیقت لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔مزید یہ کہ وہ لوگ جنکی معلومات کا انحصار کا فر میڈیا اور اسکے حواریوں پر ہے، انکے لیے حقیقت کا جان لینا تقریباً ناممکن ہے۔کیونکہ سامعین تو وہی جان پائیں گے جو انکے سامنے پیش کیا جائے گا۔جیسا کہ ہم عذرا پاؤنڈ، لارڈ نارتھ کلف اور نیورمبرگ ٹرائل کے ضمن میں دیکھ چکے ہیں۔وہ لوگ جو میڈیا کو کنٹرول کرتے ہیں وہ شعبدہ بازی کے ذریعے خیالی تصویر پیش کر سکتے ہیں۔چونکہ انکی کوشش کو طریقہ کار کو چیلنج نہیں کیا جاتا تو وہ تنقید سے بچے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے جدید کمپیوٹر گرافک پروگراموں سے اپنی من چاہی تصویر یا خیالی تصویر کو مجسم کیا جا سکتا ہے اور اسے اپنے پروپیگنڈے کا حصہ بنایا جا سکتا ہے۔مثال کے طور

پر کسی بھی شخص کو تصویر کا حصہ بنایا جا سکتا ہے یا تصویر میں سے نکالا جا سکتا ہے۔اسطرح کسی بھی چھوٹے الزام کے لیے شہادت بنائی جا سکتی ہے۔

ماضی میں تشدد پسند کا لفظ عام طور پر مسلمانوں کے لیے اور کیمونسٹ یا ان غیر مسلم لوگوں کے لیے بنایا گیا جو موجودہ آقاؤں سے کنٹرول حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے اور دہشت گردان دونوں گروہوں میں سے ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو محض باتیں کرنے پر اکتفانہ کرتے تھے بلکہ آگے بڑھ کر کچھ کرنا چاہتے تھے۔لیکن چونکہ کیمونزم نے جمہوریت کے حق میں ہتھیار ڈال دیے تھے، اب اس لفظ کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔اب میڈیا صرف مسلمانوں کو ہی انصاف، جمہوریت، امن اور دنیا کے بنائے ہوئے سسٹم کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔کافر میڈیا سسٹم میں مسلم اور اسلام کے ساتھ ایک اور لفظ لگا کر اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات اور غلط فہمیاں پیدا کرتا ہے۔مسلمانوں کے بارے میں یہ تصویر کشی کی جارہی ہے کہ وہ خواہ مخواہ اندھا دھند مرنے مارنے کے لیے تیار ہیں۔اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ اپنا دفاع کرنا چاہتا ہے تو اسے دہشت گردی کہہ دیا جاتا ہے۔اگر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تو اسے جوابی حملہ قرار دے دیا جاتا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کسی سے نہیں لڑ رہی، اسکا ذکر نہیں کیا جاتا۔**موجودہ میڈیا کا بنایا ہوا کلیہ/ فارمولا یہ ہے کہ:**

دہشت گردی=بنیاد پرست کٹر مسلمان=اسلام=تمام مسلمان

مسلمان کے لیے کیمونسٹ اور سرمایہ دار دونوں ہی ایک جیسے ہیں۔مسلمان اللہ اور اسکے پیغمبر ﷺ کو مانتا ہے؛ کیمونسٹ اور سرمایہ دار نہیں مانتا۔درحقیقت پچھلی صدی کے دوران لوگوں نے دیکھ لیا کہ کیمونسٹ راتوں رات سرمایہ دار بن گئے؛ ایک جیسے پنچھی

اکٹھے یہ سفر کرتے ہیں۔لیکن جب وہ ایک دوسرے سے دست وگریبان بھی تھے تو بھی ان کی لڑائی بظاہر تھی۔انکی حقیقت ایک جیسی ہے۔انکی بنیادیں ایک جیسی ہیں۔دونوں کافر ہیں ۔کافر بظاہر لڑتے ہیں لیکن کفر اصل میں ایک ہی نظام ہے۔ دونوں معاشروں میں پیرامیڈل سسٹم موجود ہے، جو آپس میں مربوط ہے، انکا زندگی کی حقیقت کا فلسفہ ایک ہی ہے، وہ ایک ہی شے کے حصول کے لیے کوشش کررہے ہیں اور ایک ہی قسم کے بتوں کی پرستش کررہے ہیں۔انکے رہنما ایک جیسے زندگی کے رویے اختیار کیے ہوے ہیں۔دونوں کا نظریہ زندگی کافرانہ ہے، اگرچہ اصطلاحات مختلف ہیں۔دونوں ہی کنزیومر پروڈیوسر نظام کو برقرار رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ نظام صرف اسی صورت میں چل سکتا ہے جب معاشرے کے کچھ افراد باقی لوگوں کو اپنے فائدے کے لیے غلام بنا لیتے ہیں۔اگرچہ وہ بظاہر ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے نظر آتے ہیں۔ان کے باہم آہنی پردہ پڑا نظر آتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تجارت بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ایک دوسرے کی اقتصادیات کو سہارا بھی دے رہے ہوتے ہیں اور آج تو یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے۔نئ آفاقی آزاد منڈی یعنی گلوبل مارکیٹ اکانومی، جسے انٹرنیشنل بینکنگ اور بازار حصص سے پیسہ ملتا ہے، آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔اور اب اسکا اصل چہرہ نئے ورلڈ آڈر کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔

حال میں بھی اور ماضی میں بھی سرمایہ دار اور کیمونسٹ لوگوں کے ذہنوں کو صارف وصانع نظام میں لانے کے لیے ایک جیسے حربے استعمال کررہے تھے۔وہ لوگوں کو اس بات پر تیار کررہے تھے کہ اس نظام کے نتیجے میں جو دنیاوی منفعات ملتی ہیں اس پر انسان راضی ہو جائے۔جبکہ انسان کی اصل حقیقت یہ ہے کہ صحیح اور خالص اطمینان اس کو فقط اللہ کی یاد

سے مل سکتا ہے۔ یہ ذہنی مرعوبیت (Intelectual Facination) اسی وقت ممکن ہے جب تعلیمی ادارے اور میڈیا کا کنٹرول کافرانہ انداز والے چند بڑے لوگوں کے ہاتھ میں مقید ہو جائے اور پھر یہ ایک سراب کی صورت میں لوگوں کو دکھا دیں کہ ان کا قانونی نظام حقیقت میں انصاف پر مبنی ہے۔ ان کا طبی نظام بہت ترقی کر چکا ہے اور ان کا تعلیمی نظام انسانوں کو علم مہیا کرتا ہے۔ اور یہ بات کہ انسان تو اسی صارف آجر نظام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس طرزِ زندگی کا کوئی متبادل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کافر سیاستدان کی محبوب دلیل ہی یہ ہے کہ جب اس کافرانہ دجالی نظام پر تنقید ہوتی ہے تو اسکے جواب میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے یہ نظام پرفیکٹ نہیں، لیکن یہ کم از کم طوائف الملو کی سے تو بہتر ہے۔ لفظ طوائف الملو کی سے ایک جذباتی خوف کی حالت پیدا کی جاتی ہے، انارکی تا کہ سننے والا بدامنی کے خوف میں مبتلا ہو جائے۔ اگر کافرانہ سوچ کے دوسرے خوف جیسے غربت کا خوف بھی سننے والے کو لاحق ہو تو بدامنی کا خوف انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ خوف زندگی کی اصل حقیقت سے ناواقف لوگوں کو لاحق رہتا ہے۔

یہ خیال کہ موجودہ نظام کے جانے کی صورت میں ایک انارکی اور بدامنی ہو جائیگی، اصل میں ایک دھمکی ہے کہ اگر ہمارا دیا ہوا نظام قبول نہیں کرو گے تو تمہارے ہاں بدامنی ہو جائے گی۔ اور اسطرح میڈیا کے ذریعے یہ خوف لوگوں کے ذہنوں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ جب تک انسان اس کافرانہ نظام کی اصطلاحات کو تسلیم کرتا رہتا ہے تو وہ کسی اور متبادل نظام کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے ہر وہ دوا جو انسان کے ضمیر کو ذہنی مرعوبیت سے آزاد کر دے، اس کافرانہ نظام میں غیر قانونی قرار دی جاتی ہے۔ صرف ان ادویات کو

جومعمولی نشہ دیں انہیں قانونی قرار دیا جاتا ہے۔اسکا مطلب یہ نہیں کہ صرف ادویات سے ہی ضمیر کو جگایا جاسکتا ہے۔کسی نبی نے بھی آ کرادویات کے ذریعے سے خود آ گہی اور علم حاصل کرنے کی حمایت نہیں کی۔محمد ﷺ کے طریقہ حیات سے زندگی کی اصل حقیقت کاادراک ہوجاتا ہے۔اورنشہ آورادویات کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس باطل نظام کا اصل متبادل اسلام ہے۔لیکن اس بات کوتو وہی جان سکتے ہیں جواس باطل نظام کوسمجھنے کے بعد اس کورد کر چکے ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور متبادل طرزحیات(Lifestyle) کا سمجھنا صرف اسی وقت ممکن ہے جب اس کو اپنالیا جائے۔اس لیے کہ کسی سفر کے متعلق پڑھ لینا یا کسی نقشے کو سمجھ لینا حقیقی سفر کے مترادف نہیں ہوسکتا۔زندگی ایک سفر ہے ، لیکن اس سفر کے لیے جاگنا ضروری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسلام نیند سے بیدار کرنے کانسخہ ہے۔جوبھی اس سفر پر چل پڑتا ہے وہ آہستہ آہستہ عقل ودانش کے اصل مزے کو چکھ لیتا ہےاور ساتھ ہی ساتھ اس کواصل علم نصیب ہونے لگتا ہے۔اللہ نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے انسانوں اور جنّات کوسوائے اپنی عبادت کے کسی اور شے کے لیے پیدانہیں کیا۔اللہ کی عبادت کا مطلب قرآن کی رہنمائی میں حضور ﷺ کی مثال کوسامنے رکھتے ہوے مدینہ کی پہلی کمیونٹی کی مثال کی اتباع کرنا ہے۔۔۔۔۔۔۔یہی اللہ کی حقیقی عبادت ہے۔ بہت سے لوگ جواعلیٰ ترقی یافتہ مما لک میں رہ رہے ہیں انہوں نے اس حقیقت کاادراک کرلیا ہےاوراس پرعمل شروع کردیا ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آج کے کافرانہ نظام کااثر(Impact & Influence) اتناوسیع اورلطیف

ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس کے مہلک اثرات سے بے خبر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔دجالی نظام انکی زندگیوں کا ایسے ہی حصہ بن چکا ہے جیسے ان کے ارد گرد ہوا، جس کا انہیں احساس نہیں۔فری میسن کنٹرول جو انکی زندگیوں میں ہے وہ انکے اتنا قریب ہے کہ وہ اسے دیکھ نہیں پاتے ۔ جیسے انہیں اس چیز کا ادراک کہ وہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اپنی ہر دھڑکن کے لیے اس کے محتاج ہیں،اپنی ہر سانس کے لیے اسکے محتاج ہیں۔حق ان کی نگاہوں کے سامنے دھندھلا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ اسی دجالی نظام کے اندر پیدا ہوئے ہیں اور اسی کو قبول کرنے پر انکی تربیت کر دی گئی ہے۔ان کی تعلیم کا یہ حصہ رہا ہے کہ وہ اس طرز زندگی کو قبول کر لیں اور اسکی تربیت تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد میڈیا کے ذریعے سے انہیں مسلسل دی جارہی ہے۔اگر کسی کو احساس ہو بھی جائے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، پھر بھی اس کا پتہ چلانا کہ کیا غلط ہے؟۔۔۔کیوں اور کتنا غلط ہے؟ بہت دشوار ہے۔ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کافر میڈیا کے کرتوت واضح طور پر جان لے یا ایک جھلک کافر قانونی نظام کی ناانصافی کی پالے یا سمجھ جائے، کہ یونیورسٹی کی تعلیم نے اسے کوئی کام کی چیز نہیں بتائی یا کوئی کام کی چیز نہیں بنایا۔پھر بھی وہ پورے نظام کی صحیح تصویر سے واقف نہیں ہو پاتا۔یا اپنے آپ کو کنزیومر پروڈیوسر نظام سے آزاد نہیں کروا پاتا۔۔۔۔۔۔۔

ہر شخص کو چند بنیادی ضروریات اور حقائق کا سامنا ہے۔اسکی کچھ ضروریات ہوتی ہیں اور کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جن سے وہ بھاگ نہیں سکتا۔ان بنیادی ضروریات کو پورا کرنے لے لیے کام چاہیے اور جب خاندان کا آغاز ہوتا ہے،شادی کے بعد بچے ہو جاتے ہیں تو شب و روز اور بھی مصروف ہو جاتے ہیں۔اس طرح اس بات کا ہوش بھی نہیں رہتا کہ یہ تماشہ ہو کیا رہا ہے؟ دراصل ہر ایٹم اپنی مقرر شدہ جگہ پر ہے اور ہر شے ایک وحدت کا حصہ

ہے۔حقیقت میں صرف اللہ ہی کا وجود ہے۔۔۔۔۔۔۔اللہ ہی ہے جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔جدھر بھی دیکھو اللہ ہی کی معرفت نصیب ہوسکتی ہے۔ہر شے گزر رہی ہے سوائے اللہ کے۔یقیناً ہم اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اللہ ہی کی فطر ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔کفر اور اسلام کا اصل فرق یہ ہے کہ کافرانہ طرزِ زندگی آپ کو اس حقیقت سے دور رکھتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جبکہ اسلامی طرزِ زندگی نہ صرف اس علم کے راستے آپ پر کھولتی ہے بلکہ وہ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ امن اور سکون کو آپ کی زندگی میں بھر دیتی ہے۔کافر سوچتا ہے کہ اسکا وجود ہے اور یہ کہ وہ مسائل اور مصائب کا شکار ہے۔جبکہ مؤمن جانتا ہے کہ وجود صرف اللہ کا ہے اس لیے وہ امن سے رہتا ہے۔

روزانہ زندگی کی ضروریات اور مطالبات جو کافرانہ سوسائٹی میں ہوتے ہیں وہ حقیقی ہوں یا میڈیا کے ذریعے مصنوعی طور پر انکی ضرورت بنا دیے گئے ہوں، وہ اسقدر پیچیدہ ہیں اور زیادہ ہیں کہ اکثر لوگوں کے لیے ٹھہر کر غور وفکر کرنا ہی مشکل ہے۔کجا یہ کہ وہ اس غور وفکر کے نتیجے میں اپنے وآپ کو کنڈیشنڈ ہونے اور پروگرامڈ ہونے سے بچالیں اور اس کی کوئی ترکیب کریں۔اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ انکا وجود کس لیے ہے؟ اور زندگی کی حقیقت کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دجالی نظام کا جال اتنا مضبوط ہے اور اسکا اثر اتنا گہرا ہے کہ اسکے قیدی کو اپنی قید کا احساس نہیں ہوتا۔وہ سمجھتا ہے کہ اسکی زندگی کا مقصد واضح ہے اور منزل کا تعین شفاف ہے! بالکل ایسے ہی جیسے ایک گولڈفش اپنے تالاب میں اس بات سے بے خبر ہوتی ہے وہ ایک قید میں ہے۔اگر ان سب کے باوجود کسی کو حقائق کا ادراک ہو جائے، وہ جاننا چاہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ تو کافر دجالی نظام اس شخص کو ایک

خاص حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔اس نظام کی اپنی ایک نارمل اور لیگل کی تعریف (Defination) ہے ۔ اسکے علاوہ دوستوں اور اقارب کا ایک دباؤ (Pressure) ہوتا ہے جو آپ کو مالی اور جذباتی بلیک میل کے ذریعے سے اس نظام سے چپکا رہنے پر کو مجبور کر دیتا ہے۔اگر کوئی ہم خیال لوگوں کے گروپ سے ہٹکر جدوجہد کرنے کی کوشش کرتا ہے اس ایک (Cult) فرقہ بنا کر پروپیگنڈہ کا شکار کر دیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ایسے گمراہ پیروں اور گروہوں کی بھی کمی نہیں ہے جو انسان کو مزید گمراہ کر دیتے ہیں۔حق کی تلاش میں نکلے ہوئے لوگوں کے لیے ایسے گروہ زہر قاتل ہیں۔اہل حق بھی اسی ملامت کا شکار ہوتے ہیں جس طرح غلط لوگ۔ اس طرح حق کے متلاشی لوگوں کے لیے کشمکش (Confusion) کا سماں ہو جاتا ہے۔اہل اخلاص اور مئومنین ان منافقین اور کافروں کی نفرت کا شکار ہوتے ہیں۔یہ مسلمان گروپ میڈیا کے پروپیگنڈا کا شکار ہوتے ہیں اور اگر یہ فلسطینی عربوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر دیں تو انہیں یہودیوں کے خلاف (Anti-Semitic) قرار دے دیا جاتا ہے۔اور اگر اس میڈیا پروپیگنڈا کے باوجود کوئی مسلم رہنما اپنے پیروکاروں میں مقبول ہو تو اسے دنیا کے لیے خطرہ قرار دے دیا جاتا ہے۔اس طرح اس پر اور زیادہ (Pressure) دباؤ ہو جاتا ہے۔اس کی نقل وحرکت پر پابندی لگ جاتی ہے۔اس کو گھر میں مقید کر دیا جاتا ہے۔اس کے ذمہ کوئی گھناؤنا جرم لگا دیا جاتا ہے، حتٰی کہ اس کو قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔

اس طرح کے حالات میں کچھ عجب بات نہیں کہ حقیقی رہنما خاموش اور چھپے ہوئے ہیں۔ان سچے لوگون کی تلاش بھی ایک مشکل کام ہو گیا ہے۔لیکن حق کے چاہنے والے بالآخر حق کو پہچان ہی لیتے ہیں۔ سچے رہنما کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف اور

محمدؐ کے طریقے کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔اور جھوٹے رہنما کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔اگر کسی کی صحبت آپ کے دل پر اثر انداز نہ ہو اور وہ اللہ کی معرفت کی طرف آپ کو نہ لے جائے تو اس کی صحبت سے پرہیز کیجیے! جو کوئی صحیح رہنما کی تلاش میں ہو وہ اپنے اخلاص اور عزم کے بقدر اس کو پالے گا۔کچھ لوگ جو حق کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ان مصائب کا سامنا کرتے ہیں، جو اس راستے کا خاصہ ہیں؛ وہ اپنے عزم کی کمی یا کنڈیشنگ اور پروگرامنگ کی زیادتی کی وجہ سے اسی کنزیومر پروڈیوسر سسٹم کی گود میں واپس چلے جاتے ہیں۔انہیں اپنے ستائے جانے کا ڈر اور ختم کیے جانے کا خوف بھی لاحق ہوتا ہے۔صرف اللہ سے ڈرنے والے اور محمدؐ کے راستے پر چلنے والے لوگ ہی ان چیزوں سے نہیں ڈرتے۔

یقیناً وہ لوگ جو ابھی اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں اور میڈیا کے اسلام کے بارے میں پروپیگنڈا کا شکار ہیں، اپنی کنڈیشننگ اور پرگرامنگ کی وجہ سے کافر طاقتوں سے مرعوب ہیں اور خوف کا شکار ہیں۔گو وہ اس دجالی نظام کو اندر سے رد کر چکے ہیں۔پھر چیزوں کی کمی کا خوف، رزق کی تنگی کا ڈر، جو اللہ سے دوری کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، اس سسٹم سے چپکا رہنے میں انسانوں کی مدد کرتا ہے۔کنزیومر پروڈیوسر سسٹم اس تنگی اور کمی کی وجہ سے لاحق پریشانیوں کا ازالہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور وعدہ یہ ہے کہ اگر آپ ان کی کنزیومر پروڈیوسر سسٹم کی گیم کھیلیں گے آپ کو کرنسی ملے گی اور وہ تمام چیزیں جن کی خواہش آپ کے اندر پیدا کر دی گئی ہے، آپ کو مل جائیں گی۔یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔کیونکہ اس نظام کا خاصہ یہ ہے کہ یہ آپ کو صرف اتنا کچھ دیگا جس سے آپ کی ضروریات مکمل طور پر پوری نہ ہوں تاکہ آپ یہ کنزیومر پروڈیوسر گیم کھیلتے رہیں اور اس

طرح ان کا سودی نظام پھلتا پھولتا رہے۔اس نظام کی خوبی یہ ہے لوگوں کی محنت کا پھل صرف چند لوگ ہی اٹھا سکتے ہیں۔کافر سوسائٹی میں ہر ایک کے لیے آسائش کی ساری چیزیں موجود ہوتی ہی نہیں۔لیکن وہ چند لوگ جن کی زیادہ تر ضروریات پوری ہو بھی جاتی ہیں ان کی زندگیوں میں بھی چین وسکون کی کمی ہوتی ہے۔وہ بھی ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کے متلاشی ہوتے ہیں، جس میں نئے سے نئے ماڈل کی چیزیں اور انہا کی آرام اور سکون والی اشیاء، جن کا وجود ابھی ہوا ہی نہیں، ان کی تلاش میں رہتے ہیں اور اس طرح بے سکون رہتے ہیں۔یہ سمندر کے پانی کو پینے کی طرح ہے کہ جتنا پیئو پیاس اتنی ہی بڑھتی جائیگی ہے۔

سکون کی یہ کمی دو وجہ سے ہے: اصل بے چینی چیزوں کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ زندگی کی حقیقت سے بے خبری کی وجہ سے ہے۔۔۔اور یہ بے چینی سکون میں بدل جاتی ہے جب زندگی کی حقیقت کا صحیح علم انسان کی جہالت کی جگہ لے لیتا ہے۔پھر اللہ کی معرفت کی کمی دوسری وجہ ہے بے چینی کی۔۔۔۔جب تک اللہ کی معرفت نصیب نہیں ہوتی، اللہ کے ساتھ تعلق نصیب نہیں ہوتا، چین نہیں آتا۔اللہ کی معرفت صرف محمدؐ کے طریقہ زندگی کو اپنانے سے آسکتی ہے۔صرف اسی طریقے سے زندگیوں میں سکون آسکتا ہے۔اب یہ پسند (Choice) آپ کی ہے کہ آپ اسے فوراً اور ابھی اختیار کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔اگرچہ یہ انتخاب واضح ہے لیکن اسکا اختیار کرنا اس دجالی نظام کے شکار اور اس کے اثرات میں مقید شخص کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔گو وہ شخص اس نظام کی کنڈیشننگ کو مسترد بھی کردے۔اس لیے کہ یہ کنڈیشننگ بہت مضبوط ہے، اس میں ایک نشہ آور اثر (Addiction) ہے۔یہ ایک ایسا خیال پیدا کرتا ہے کہ زندگی کے مسائل کا حل کام کرنا

اور کھیل کود کرنا ہے اور اگر بیمار ہو جاؤ تو ڈاکٹر کی بات ماننا ہے اور کبھی اس نظام کو تبدیل نہ کرنے کی کوشش کرنا ہے۔اس لیے کہ یہ جو ذہنی تربیت ہوئی ہوئی ہے اس میں ایک Addictive (لت) اور Strong (گہرا) اثر ہے۔

اصل میں اس کنڈیشننگ کا شکار شخص کبھی ذہنی ترقی نہیں کر پاتا گو کہ وہ بچے بھی پیدا کرتا ہے، ملازمت / کاروبار بھی کر رہا ہوتا ہے۔ دجالی نظام کے عادی شخص کی ذہنی اور روحانی نشوونما رُک جاتی ہے۔بچوں کی طرح وہ اس نظام سے ڈرتا ہے اور اس سے مرعوب رہتا ہے۔ایسے ہی جیسے بچے اپنے والدین کو دنیا کے بہترین والدین سمجھتے ہیں اور یہ بھی کہ ان کے والدین کو ہر بات کا علم ہے۔اس بات میں کسی پر الزام نہیں۔ ہر کوئی وہ بنتا ہے جو وہ ہے۔اللہ نے کچھ کو کافر اور کچھ کو مومن بنایا ہے۔ کچھ کو جاہل اور کچھ کو علم و معرفت والا بنایا ہے۔ کچھ کو اندھا اور کچھ کو دیکھنے والا بنایا ہے۔اللہ کی رحمت نے اپنی ساری مخلوق کو ڈھانپا ہوا ہے۔کافر اس امر کو دیکھ نہیں پاتا جبکہ مؤمن اس رحمت کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر کچھ لوگ بالکل اندھے ہیں اور کچھ بہت معرفت رکھنے والے ہیں اور کچھ درمیان میں ہیں۔اس طرح کچھ اس دجالی نظام سے بالکل مطمئن ہیں اور اسی کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ کچھ اس نظام کو بالکل برداشت نہیں کر پاتے اور صرف محمدؐ کے طریقے پر چلنے پر راضی ہیں۔ کچھ اس دجالی نظام کو پسند تو نہیں کرتے لیکن ابھی اللہ کی معرفت اور محمدؐ کے طریقے سے محروم ہیں۔قرآن میں لوگوں کے لیے آیا ہے کہ وہ یا تو انبیاؑ کی تعلیمات پر چلتے ہیں یا اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر چلتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو تو محمدؐ کے طریقہ حیات تک رسائی نہیں ہے اور پھر وہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں پر ہی چلتے رہتے ہیں۔ان کو فی الواقع کافر قرار دینا بہت مشکل ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض تو انہی مسلم ممالک میں پلے بڑھے ہیں لیکن ان

کی تربیت مسلمانوں کی طرح نہیں ہوئی۔

کافر اسے کہتے ہیں کہ جس کے سامنے اسلام واضح طور پر پیش کیا جائے اور وہ اسے کھلے طریقے سے اسے مسترد کردے۔ جب جہالت کا پردہ انسان پر پڑا ہوتو اسے حق اور باطل کی تمیز نہیں ہوتی۔ جیسے بیمار کو میٹھا کڑوا لگتا ہے اور کڑوا میٹھا لگتا ہے، ایسے ہی زندگی کی اصل حقیقت سے بے خبر کو اسلام سے آگہی حاصل نہیں ہوتی۔ یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ جہالت سے مراد پڑھنے لکھنے کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ جہالت سے مراد زندگی کی اصل حقیقت سے بے خبری ہے۔ تو ایسے انسان کو اسلام سے آگہی اور اسلام کا ادراک نہیں ہو پائے گا۔ لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے اسلام کی اچھائی نظر آنے لگتی ہے۔ اللہ نے قرآن میں بتایا ہے کہ اللہ ہی ہے جو انسان کے دل کو ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے۔ اللہ وہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

اسکے علاوہ بہت سے لوگ جو کافر سرزمینوں کے باسی ہیں اور اگرچہ روزمرہ زندگی کی وجہ سے وہ اسی دجالی نظام میں گھرے ہوئے ہیں، ان کا واسطہ جب صحیح مسلمانوں سے ہوتا ہے تو وہ اسلام کو اسکے اصل رنگ میں دیکھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ بلاشبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اسلام کو مکمل طور پر مسترد کریں گے اور بقول قرآن ان کی آنکھیں، کان اور دل بند ہو چکے ہیں۔ وہ اسلام کی خوبیوں کو دیکھ نہیں پائیں گے۔ ان کو کہنا نہ کہنا برابر ہے۔ وہ اندھے بہرے اور گونگے ہیں، گو وہ بظاہر دیکھ بھی سکتے ہیں، بول اور سن بھی سکتے ہیں۔ اللہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی میں رکھے۔ کسی کو جنت میں بھیج دے تو بھی وہ بے نیاز ہے اور کسی کے لیے جہنم کا فیصلہ کردے تو بھی وہ بے نیاز ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو کچھ بھی قدرت نہیں۔ اسلام کی موجودہ نشاطِ ثانیہ اس بات کی

نشانی ہے کہ اہل ایمان اور کفر کی جنگ عالمی منظر پر شروع ہو چکی ہے۔ یہ کشمکش مہدی اور دجال آنے سے قبل کی تیاری ہے۔

انشورنس:

کافر سوسائٹی میں موت کا خوف اور رزق کی تنگی کا ڈر لوگوں کو مختلف قسم کی انشورنس خریدنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ لوگ جو انبیاؑ کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، خاص طور پر اجتماعی زندگی گزارتے ہیں انہیں کافر انشورنس سسٹم بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

انبیاؑ کا طرز زندگی بذات خود ایک انشورنس ہے۔ ہر عمل کے کچھ نتائج اور اثرات ہوتے ہیں۔ وہ شخص جو زندگی اور آخرت کے اچھے اور برے اعمال سے ناواقف ہے اس سے اس جہالت کی وجہ سے ایسے اعمال سرزد ہونگے جو نہ تو اس کی دنیا کیلئے اچھے ہونگے اور نہ آخرت کے لئے۔ لازماً وہ ان اچانک حادثات سے بچنے کے لئے اپنی انشورنس کرواتا پھرے گا حالانکہ اس کو وہ راستہ ہی چھوڑ دینا چاہیے جو تباہی کی طرف لے کر جاتا ہو۔

محمدؐ کا طریقہ مفید اعمال کی سائنس ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان مفید اعمال کو قرآن کے الفاظ میں حلال سے تعبیر کیا گیا ہے اور غیر مفید کو حرام کہا گیا ہے۔

ان اعمال کو ان کے نتائج اور اثرات کے اعتبار سے دیکھنا چاہیے۔ عام طور پر اعمال کو کرو اور نہ کرو (Do's & Donts) کی لسٹ بنا کر ان کا تعلق مورالٹی اور اخلاقیات کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے اور آخر میں یہ تعلق شائستگی اور تہذیب سے جا ملتا ہے۔ ایسا کرنے کا نقصان یہ ہے کہ لوگ اعمال کی حقیقت کو گم کر بیٹھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ہمیں پتہ ہونا چاہیے کہ کونسے اعمال مفید ہیں اور کونسے غیر مفید اور یہ کہ ان کا فائدہ یا نقصان

صرف اس دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کے گہرے اثرات ہوں گے۔

مثلاً جب آپ حلال غذا کھائیں گے تو آپ کا دل اچھے کام کرنے کی طرف مائل ہوگا اور جب آپ حرام کھانے لگیں گے تو دل زیادہ حرام کاموں میں لگے گا۔

شراب پینا اور سور کھانا ہوسکتا ہے کسی کو غلط اعمال نہ لگتے ہوں لیکن ان کے اثرات کی وجہ سے انسان ایسے اعمال کرسکتا ہے جو صرف جسم کے اندر کے توازن ہی کو خراب نہیں کرتے بلکہ انکے نتیجہ میں دنیا کے اندر کا توازن بھی بگڑ جاتا ہے اور فساد ہونے لگتا ہے۔ اس طرح حلال کاموں کے نتیجہ میں دنیا کے اندر بھی سکون ملنے لگتا ہے اور پھر یہ آخرت کے دائمی سکون کا بھی باعث بنتے ہیں۔

اعمال کو محض اچھا برا کہہ دینے سے اور اثرات کے لحاظ سے ان کی حقیقت کو بھولنے سے لوگ آخرت کو بھی فراموش کرنے لگتے ہیں۔ اس فراموشی میں اگر اعمال کے پیچھے نیتوں کی اہمیت بھی بھلادی جائے تو لوگ اپنے اعمال کا تنقیدی جائزہ نہیں لے پاتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے اعمال پر تنقید شروع کر دیتے ہیں اور لوگوں کو ان کے ظاہری اعمال سے جانچنا شروع کر دیتے حالانکہ وہ ان کی نیتوں سے واقف بھی نہیں ہوتے۔ آخرت کو بھولنے سے اعمال کی صرف ظاہری شکل رہ جاتی ہے اور اخلاقیات کا ایک جالا باقی رہ جاتا ہے۔ لوگوں کا ان اعمال سے سطحی اور جذباتی تعلق قائم ہوجاتا ہے اور اعمال کی حقیقت ان اخلاقیات کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتی ہے۔ کافرانہ قوانین کی طرح کافرانہ اخلاقیات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ انسان کو اس حقیقت سے دور کر دیتے ہیں کہ وہ کہاں جارہا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی اصل منزل جنت یا جہنم ہے۔

چونکہ ان کافرانہ اخلاقیات میں ایک قسم کی منافقت ہوتی ہے، لوگ انہیں مسترد کر

دیتے ہیں۔اب ان کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کوئی اصول موجود نہیں رہتا۔تبھی وہ ذاتی خواہشات اور تعصّبات کے سہارے زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں۔اس کے علاوہ زندگی گزارنے کے لیے اپنے محدود تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔اس من چاہی زندگی گزارنے سے وہ نفس کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں اور یوں کافرانہ نظام کے پرفریب مقاصد کے حصول کی تگ ودو میں لگ جاتے ہیں۔

البتہ اگر وہ آپؐ کے طریقہ زندگی کی تحقیقات کریں اور حرام وحلال کا علم حاصل کریں، پھر اس کے مطابق زندگی گزاریں تو ایک اندرونی سکون اور بیرونی توازن ان کی زندگیوں میں نظر آنے لگے گا اور کافرانشورنس انہیں مضحکہ خیز لگنے لگی گا۔جو حضرت محمدؐ کے طریقہ زندگی پر نہیں چلتا اور .C.P.S کے مطابق زندگی گزار رہا ہے اسے انشورنس ایک اچھا خیال لگے گا اور وہ اس پر جتنا ہو سکے گا خرچ کرے گا۔ایک انشورنس کمپنی کو رفاہی ادارہ قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ یہ لوگوں کے اندر خوف کو بڑھا چڑھا کے بیان کر کے انہیں اپنا پروڈکٹ بیچتی ہے، جتنا زیادہ انشورنس خریدیں اتنا کمپنی کو فائدہ ہوگا۔جب کوئی حاشہ واقع ہو جاتا ہے تو یہ انشورنس کارآمد لگتی ہے کہ انشورنس خریدنے والے کو کچھ پیسے مل جاتے ہیں۔لیکن حادثات سے ڈیل کرنے کے کئی ایسے طریقے ممکن ہیں جن میں انسانیت ملحوظ خاطر رہتی ہے۔

جیسا کہ ایک اسلامی معاشرے میں ہونا چاہیے کہ لوگ رضا کارانہ طور پر حادثات کا شکار ہونے والوں کی مدد کرتے ہیں یا بیت المال سے ان کی مدد ہو جاتی ہے۔اس بیت المال میں قرآن اور حدیث کے مطابق لوگوں سے مال لے کر جمع ہوتا رہتا ہے اور ضرورت مندوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے مسلمانوں کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک

مسلم معاشرے میں ایسا ہوتا رہا برکتیں نازل ہوتی رہیں؛ لیکن جب لوگوں نے احکام شریعت کو چھوڑ دیا تو ان پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے گئے جو قرآن وحدیث کو نظر انداز کرنے والے تھے۔ لوگوں کو ویسے ہی حکمران ملتے ہیں جن کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ ان حکمرانوں نے ان پر اضافی ٹیکس لاد دیئے اور انہیں اپنا غلام بنا کر رکھا۔ خوشحالی کم ہوگئی اور معاشرہ تباہی کے راستے پر گامزن ہوگیا۔

جب عمر بن خطابؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے لوگوں کو کہا کہ جب میں قرآن و حدیث سے ہٹ کر فیصلہ کروں تو فوراً مجھے روک دو۔ اس لئے کہ وہ آخرت کے سوال و جواب سے ڈرتے تھے۔ وہ اس بات سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھے کہ اسلام کا طریقہ زندگی بذاتہی ایک انشورنس ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص ان کے پاس بارش کی دعا کے لئے آیا اس لئے کہ شدید قحط کا زمانہ تھا عمرؓ نے فرمایا کے قحط کی وجہ معاشرے میں بہت زیادہ لوگوں کا قرآن اور سنت سے دوری کا ہونا ہے ؛باہر کا قحط اصل میں دلوں میں اللہ پر بھروسے کے قحط کی وجہ سے ہے۔ جب یہ بھروسہ ٹھیک ہوگیا تو بارش ہوگئی! اسی لئے حضرت محمدؐ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہونے کی گنجائش ہوتی تو وہ عمر بن خطابؓ ہوتے۔

مسلمان حکمران جو اس وقت مسلم ممالک پر ماضی کے گورے حکمرانوں کی بدولت اور مدد سے قابض ہیں؛ مسلمانوں سے قرآن اور سنت سے بڑھ کر زیادہ ٹیکس وصول کر رہے ہیں اور پھر انہیں انصاف اور عدل سے بھی استعمال نہیں کر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں خوشحالی نہیں ہے اور یہ دجالی نظام کے اثرات کا حصہ بن چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کی دولت کو کافر کنزیومر پروڈیوسر نظام کو مضبوط کرنے کے

لئے استعمال کیا جا رہا ہے اس دولت کا زیادہ تر حصہ کافر کا پوریشن میں Invest کیا جاتا ہے یا ان کے بنکوں میں جمع کروا دیا جاتا ہے اور یہی بنک اس دولت کو غریب مسلم ممالک کو پیسہ قرض کے طور پر دے کر ان کو قرض کے نیچے دبا دیتے ہیں۔ان بنک اور مالی اداروں کو فری میسن کنٹرول کر رہے ہیں۔یہ فری میسن کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے؛ کیونکہ مسلمانوں کی شکستگی کی بدولت ہی دجالی نظام پوری دنیا کو کنٹرول کر سکتا ہے اور یہی ہے دنیا کا نیا ورلڈ آڈر۔۔۔!

حضرت محمدؐ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ ہر امت کا ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ عربوں کے زوال کی وجہ سیال گولڈ ہوگا یہ اصلاح آج کل تیل کے لئے استعمال ہوتی ہے۔اور یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ عرب حکمران اسلام کے نام پر ایک پولیس سٹیٹ قائم کر چکے ہیں اور مغرب کے عطا کردہ کافرانہ ماڈل کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔اسی طرح کچھ عرب حکمران گلف وار کے نتیجہ میں ہائی ٹیک نارتھ کے مفادات کو محفوظ کرنے کے چکر میں ہل چکے ہیں اور بنک کرپٹ ہو چکے ہیں۔

حضرت محمدؐ کے فرمان کا واضح مفہوم ہے کہ مسلمانوں کا حکمران یا امیر اس بنیاد پر منتخب نہ کیا جائے کہ کا باپ بھی حکمران یا امیر تھا۔شاہی خاندان حضرت محمدؐ کی سنت نہیں ہیں۔اگر یہ سنت ہوتی تو آپؐ کا خاندان ہی مسلمانوں پر حکمرانی کرتا۔

مسلمانوں کی تاریخ کا مختصر سا جائزہ بتاتا ہے کہ جیسے ہی مسلمانوں میں موروثی حکومت کا رواج چلا تھوڑے عرصہ میں ہی حکومتیں بدعنوان ہو گئیں اور پھر تباہ ہو گئیں۔ مسلمان حکمران کے انتخاب کی بنیاد، اس میں اللہ کا ڈر اور اس کی معرفت ہے اور یہ کہ اس کی قرآن وحدیث کی سمجھ معاشرے کے تمام دوسرے لوگوں کی نسبت بہتر ہوتی ہے اور اس پر

اس کا عمل بھی ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی سرزمین پر بدعنوانی حیرت کا باعث نہیں ہے، یہ زندگی کے حقائق کا لازمی نتیجہ ہے مگر اس کرپشن کا الزام محض کافر نظام پر ڈالنا کافی نہیں ہے۔ یقیناً تاریخ میں کہیں مسلمانوں کی اپنی بدعنوانیاں تھیں جنہوں نے کافرانہ دجالی نظام کو اپنی زمینوں پر پنپنے کا موقع دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں ہر شے کو زوال ہے۔ عروج و زوال ایک فطری طریقہ کار ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی پہلی بستی بھی اس اصول کی زد میں آئی تھی۔

حضرت محمدؐ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ میرے وصال کے ۳۰ یا ۷۰ سال کے اندر خلافت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انہوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان کی رحمت خلافت سے تبدیل ہوگی اور پھر خلافت ملوکیت سے اور ناانصافی سے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہا اخیر وقت یہ خلافت پھر قائم ہوگی۔ البتہ انہوں ے موجودہ (مشہور زمانہ) نئے ورلڈ آرڈر کا ذکر کبھی نہیں فرمایا۔ اسلام کو ظلم کا ذریعہ بنانا بھی زیادہ مشکل نہیں؛ فقط اس کو اخلاق کے مصنوعی ڈھانچے کے ذریعے زبردستی لوگوں پر ٹھونسنے سے یہ ایک ظلم کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

حضرت محمدؐ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ میری امت کے تمام افراد بیک وقت گمراہ نہیں ہونگے آخری وقت میں ۷۳ فرقے بن جائیں گے اور صرف ایک فرقہ ان میں سے ہدایت پر گامزن ہوگا۔ یہ فرقہ اللہ کے اولیاء کا ہوگا کیونکہ وہی اسلام کے طرز حیات پر گامزن ہوتے ہیں۔

اولیاء اللہ نے اسلام کا طرز حیات محفوظ کر رکھا ہے۔ لوگ ان کی کشش سے ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ ان کی حکمت اور ٹھہراؤ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اس

طرح مسلم کمیونٹی ان کے گرد آباد ہو جاتی ہے۔ یہ مسلم کمیونٹی کے ولی کے دل کی داخلی کیفیت کا خارجی آئینہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ بالکل اسی طرح جیسے کافر ریاست ظلم اور بے انصافی کا آئینہ دار ہوتی ہے۔

اللہ کے ولی کسی خاص جگہ سے منسلک اور جغرافیائی حدود تک مقید نہیں ہوتے۔ وہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، بالکل ایسے جیسے روح پورے جسم میں پھیلی ہوتی ہے۔اولیاء اس دنیا کی روح ہیں اور جیسے روح کے چلے جانے سے جسم گل سڑ جاتا ہے۔ایسے ہی اولیاء کے جانے سے دنیا میں زندگی اپنے انجام تک پہنچ جاتی ہے۔

حقیقی مسلم کمیونٹی اولیاء کے گرد قائم ہوتی ہے لیکن یہ بھی عروج وزوال کا شکار ہوتی ہے۔ جب یہ ولی کے گرد قائم ہوتی ہے تو کافر اسے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن فتح اہل حق کی ہوتی ہے۔ ولی کے مر جانے کے بعد کمیونٹی کے لوگوں میں سے وہ توازن چلا جاتا ہے۔لیکن بعد میں آنے والی نسلوں میں توازن نہیں آپاتا تو کمیونٹی زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔حتیٰ کہ یہ مسلم کمیونٹی ختم ہو جاتی ہے اگرچہ اس کے اراکین ابھی بھی روایتاً قرآن و حدیث پر چل رہے ہوتے ہیں۔لیکن اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے آباءواجداد بھی قرآن وحدیث پر چل رہے تھے۔

عام طور پر مدینہ سے مشابہت والی کمیونٹی تین نسلوں تک قائم رہتی ہے لیکن کسی ایک جگہ پر یہ ختم ہوتی ہے تو کہیں اور بن جاتی ہے اس طرح یہ علم نبیؐ سے اب تک کسی نہ کسی طرح زندہ چلا آرہا ہے اور ہر ولی کے گرد بھی کمیونٹی نہیں بنتی۔

اولیاء کی حفاظت کی وجہ سے بعض اوقات اللہ انہیں پوشیدہ رکھتا ہے۔ایسے میں ان کا کام صرف اللہ اور نبیؐ کے پیغام کو زندہ رکھنا اور آگے منتقل کرنا ہوتا ہے۔

جب وقت آجاتا ہے اور اب ایسا ہی وقت ہے تو صحیح مسلم ان اولیاء کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایسے میں حق کی فتح ہوتی ہے۔ اس لئے اولیاء، اللہ کے سوا کسی پر توکل نہیں کرتے حضور ﷺ کی زبان سے اللہ پہلے ہی کہلوا چکا ہے کہ جو ان اولیاء سے جنگ کرے گا اللہ ان سے جنگ کرے گا۔

یقیناً ایسے جاہل لوگ بھی ہیں جو اللہ کے ولی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن وہ اصل میں ولی نہیں ہیں۔ ان کی معلومات اور دانشمندی مصنوعی ہوتی ہے۔ ان کو اللہ کی معرفت صحیح طور پر نصیب نہیں ہوتی؛ ان کی پہچان آسان ہوتی ہے اس لئے کہ ان کو اپنی شہرت سے غرض ہوتی ہے اور اپنے علم کی قیمت وصول کرتے رہتے ہیں۔ وہ بظاہر بھی اللہ کے احکام پر چلنے والے نہیں ہوتے (جیسے حلال کھانا، نماز، روزہ وغیرہ) اور قلبی طور پر بھی اس نور کے مالک نہیں ہوتے کہ دوسروں کی رہنمائی کر سکیں۔

حقیقی اولیاء کی نشانیاں یہ ہوتی ہیں کہ وہ ظاہراً بھی محمدؐ کی سنتوں پر چلنے والے ہوتے ہیں اور ان کے دل بھی ہدایت کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ ان میں بہترین اخلاق ہوتے ہیں ان کے پاس حکمت اور علم ہوتا ہے۔ جس کو عطاء کرنے میں وہ کوئی فیس نہیں لیتے۔ وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کی زندگیاں مطہر ہوتی ہیں۔ وہ کسی اور کی نص نہیں لیتے۔ وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی اطاعت کا مظہر ہوتی ہے۔

ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم ہے کہ وہ اللہ کی زبان بولتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کا ہاتھ اور اللہ کا پاؤں اُن کا پاؤں بن جاتا ہے۔ جب آپ انہیں دیکھتے ہیں تو اللہ یاد آجاتا ہے۔۔۔۔۔ اس طرح وہ زندگی میں علم اور معرفت کی روشنی لیکر آتے ہیں۔

اولیاءفری میسنوں کا مکمل الٹ ہیں۔فری میسن کفار کے اہم لوگ ہیں۔اولیاء مومنین کے اہم لوگ ہیں۔فری میسن صرف طاقت کا حصول چاہتے ہیں۔اولیاءصرف اللہ کو چاہتے ہیں۔فری میسن لوگوں کو کنٹرول کر کے اُن کا استحصال چاہتے ہیں۔اولیاء لوگوں کو روشنی دیتے ہیں اور آلائشوں سے آزادی عطا کرتے ہیں۔فری میسن اور اولیاء دونوں تخلیق کے عمل کا حصہ ہیں، جو مخالف عناصر کی باہمی آمیزش کا نام ہے۔

آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کا تعلق کس سے ہے۔اگر آپ کا تعلق فری میسن گروہ سے ہے یا اس نظام کو صحیح سمجھتے ہیں تو چاہے بصد شوق اُن کے ساتھ شمولیت (Join) کیجیے کیونکہ انہیں اس زندگی کی بہترین آسائشیں ملیں گی اور آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں۔اگر آپ مومن ہیں تو اولیاء کے ساتھ شمولیت (Join) کیجیے جسے سے اس دنیا کا بھی بہترین حصہ ملے گا اور آخرت کا بھی۔اختیار اور پسند (Choice) آپ کی اپنی ہے۔۔۔۔۔!

اسلام کا معاہدہ ہی دنیا کی بہترین انشورنس ہے۔اس سے دنیا میں رزق کی ضمانت ملتی ہے اور اگلے جہان میں یہ اپنے مخلص پیروکاروں کیلئے جنت کا ضامن ہے۔رزق کی تنگی تو پانچ وقت کی نماز سے ہی دور ہو جاتی ہے۔اخلاص سے پڑھا کلمہ شہادت، پانچ وقت کی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج (جن پر لازم ہے) اُن کے لیے جنت کی ضمانت ہے۔

یہ ارکان خمسہ صرف جنت کی ضمانت نہیں بلکہ اِس دنیا میں ایک متوازن زندگی (حیات طیبہ) کی بھی ضمانت ہیں؛ اور ایسی متوازن زندگی بالآخر آپ کو اللہ کی معرفت کی طرف لے کر جاتی ہے۔یہ اعمال اپنے کرنے والوں کے دلوں کو تبدیل کر کے ان میں سکون لے کر آتے ہیں۔جتنا ہم محمد ﷺ کی سیرت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالتے ہیں، اتنا ہی

ہمیں اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ حضرت محمدؐ کے ہر طریقہ میں علم و دانش کے خزانے ہیں اور یہ علم و دانش اُن کے لیے مخصوص ہے جو اُن کی سُنت پر چلنے والے ہیں۔

اللہ سے ہر کوئی اپنے گمان کے مطابق حاصل کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قیامت دن ایک شخص جو جہنم جانے کی تیاری کر رہا ہوگا؛ عرض کرے گا کہ تیری رحمت بڑی ہے یا میرے بُرے اعمال؟ اُس کے اللہ کے ساتھ اچھے گمان پر اُسے جنت میں لے جایا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر سبھی اچھے اعمال کرنے لگ جائیں تو اللہ کی رحمت سب پر نازل ہو۔ اللہ کی معرفت رکھنے والوں کیلئے اچھائی اور برائی نتیجہ کے لحاظ سے ایک ہی ہے کہ وہ دونوں سے سبق سیکھتے ہیں۔ اللہ والے کسی بُرے عمل میں مسلسل نہیں رہ سکتے۔ وہ ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسے جاتے۔

جو اللہ سے ملاقات کا متمنی ہے اُس کے لیے اللہ ہی منزل ہے۔ ایسے شخص کیلئے صرف جنت میں جانا اور جہنم سے بچنا ہی منزل نہیں بلکہ اُس کا مقصد حیات، اللہ سے ملاقات ہے۔ اِس طرح کا مقصد حیات صرف محمدؐ کے طریقوں پر چل کر مل سکتا ہے۔

خطرہ تو اُس کیلئے ہے جو نہ تو اللہ سے ملاقات کا متمنی ہے، نہ جنت جانے کی خواہش رکھتا ہے اور نہ جہنم کا خوف ہے۔ اب ایسا مسلمان تو اللہ کی بجائے مادے میں لگ کر ذرائع وصل کو منزل بنا بیٹھے گا۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے، وہ اسلام کی اصل روح سے دور چلا جاتا ہے۔ اور تُو بہ کرو اور نہ کرو کے چکر میں گم ہو جاتا ہے۔ یہی تو عیسائیوں اور یہودیوں نے کیا۔ اپنے پیغمبروں کی تعلیمات پر عمل کرنے کو کرو اور نہ کرو کے جال تک محدود کر دیا۔ بدقسمتی سے کچھ مسلمان بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ اور حضرت محمدؐ کی پیش گوئی بھی ہے کہ کچھ مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کے نقش قدم پر چلیں گے۔

اگر آپ نے حضرت محمدؐ کے طریقوں پر چلنا ہے تو اُن سے اُس کا سبق سیکھیں جو ان طریقوں کو اُن کی مدح کے ساتھ اپنائے ہوئے ہیں نہ کہ ان لوگوں سے جنہوں نے اسلام کو دین کی بجائے ایک مذہب بنا دیا۔

تو اصل میں آپ کو دو چیزوں کا انتخاب کرنا ہے۔ پہلا تو ایمان اور کفر میں سے ایک کو منتخب کیجیے اور دوسرا انتخاب اولیاء کی زندگی سے اسلام کی روح کو سیکھنا، نہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمانوں کی طرح اسلام کو مٹانا۔ یہ انتخاب کا عمل اب آپ خود کیجئے۔۔۔۔۔!

مومن کی انشورنس اسلام کو اپنانا، اللہ پر توّکل، مرنے کے بعد کی زندگی، غیب کی باتوں پر یقین اور ایمان ہے۔ کافر اس کا الٹ ہے۔ کافر کیلئے موت ایک دوسری زندگی کی طرف جانے کا دروازہ نہیں۔ کافر کیلئے موت ایک بھیانک انجام ہے، اس لیے اُس انجام سے بچنے کیلئے اُسے انشورنش چاہیے۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ اسے موت اور اس کے بعد کے واقعات کی حقیقت کا علم نہیں۔

کافر کو انشورنس کا نظام اسلئے بھی ضروری لگتا ہے کہ اسے ہر لمحہ بڑھاپے میں رزق اور پناہ کی پریشانی لاحق ہوتی ہے اور چونکہ اس طرح کی کافر سوسائٹی میں نوجوان اپنے بوڑھوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ پریشانی بظاہر صحیح بھی لگتی ہے۔ یہ مسلم کمیونٹی کے روِش کے بالکل الٹ ہے، جہاں پیدائش سے موت تک ہر کوئی دوسرے کا خیال رکھتا ہے۔ یہاں انشورنس کا نظام بے معنی لگتا ہے۔

کافر کی سوسائٹی میں لوگوں کی خواہشات اور اشیاء کی فراوانی کیلئے ذہن بنایا جاتا ہے تاکہ کنزیومر پروڈیوسر سسٹم کا کاروبار چلتا رہے۔ اس طرح کی سوسائٹی کا ایک

لازمی نتیجہ کرائم یعنی جرائم کی افزائش ہے۔ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو اللہ اور موت کے خوف سے خالی ہوں اور ان کے دل خواہشات سے بھرے پڑے ہوں تو جب وہ اپنی خواہشات کے مطابق ہر شے حاصل نہ سکیں گے تو لازماً جرائم کی طرف جائیں گے۔اُن جرائم کی حوصلہ شکنی نہیں کی جاتی۔نہ ہی اُن کے اسباب کی طرف توجہ دی جاتی ہے بلکہ اس لئے کہ یہ قانونی نظام میں کاروبار کرنے والوں کیلئے بزنس مہیا کرتے ہیں۔مزید یہ کہ اس سے لوگوں کو اپنی املاک کی انشورنس کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اب انشورنس کمپنیوں کے مالکان کو محض فائدہ ہی ہوتا ہے۔اسلئے کہ انہوں نے پہلے سے ہی طے کر رکھا ہوتا ہے وہ کہ ایک خاص مقدار سے زیادہ مجموعی طور پر کلیم (Claim) کو ادا نہیں کرتے، لیکن پریمیم کی صورت میں بہت سی رقم حاصل کر لیتے ہیں۔پھر وہ اس منافع کی رقم کو بزنس میں لگا کر یا قرض پر دیکر سود کی صورت میں منافع کئی گنا کر لیتے ہیں۔اس طرح کافر انشورنس کا نظام ایک بکھری ہوئی سوسائٹی میں ایک مہنگی ادا کر کے چلتا ہے۔اور پھر اسلئے بھی چلتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے۔ عام کافر انشورنس کمپنیوں پر بھروسہ کرنے کیلئے مجبور ہوتا ہے لیکن حقیقتاً وہ بھروسہ کے قابل نہیں ہوتیں؛ اسلئے کہ اِن کمپنیوں کے ڈائریکٹر پالیسی بناتے وقت اپنے سالانہ منافع کو سامنے رکھتے ہیں نہ کہ اپنے مؤکلین کی بہبود کو۔

اگر کوئی شخص اِن قوانین اور پالیسیوں کا بغور مطالعہ کرے تو اُس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ قوانین کم سے کم آفات کی صورت میں مدد کرتے ہیں لیکن لگتا ایسا ہے کہ جیسے یہ مصیبت کی صورت میں مؤکل کی بہت مدد کرینگے۔کافر انشورنس نظام، دجالی سسٹم کا ایک ذیلی نظام ہے۔کافر میڈیکل اور لیگل سسٹم لوگوں کی مصیبتوں اور بیماریوں سے پیسہ بناتے

ہیں۔لیکن کافر انشورنس سسٹم اِن سے بھی ایک قدم آگے ہے، یہ لوگوں کے مستقبل کی مصیبتوں کے خوف سے فائدہ اُٹھا کر پیسے بناتا ہے۔

انشورنس کی یہ تصوراتی ضرورت جو بے بنیاد اندیشوں سے جنم لیتی اور قانونی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کی جاتی ہے، اصل میں بکھری سوسائٹی کی خرابیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔اور یہ سب کچھ زندگی کی حقیقت سے بے خبری اور اللہ کی معرفت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔مومن کی حالت اِس کے برعکس ہوتی ہے۔وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔اور اُس کے بھیجے ہوئے پیغام اور طریقہ محمدیؐ کو اپنا کر اُس پر توکل کرتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ اگر تم واقعی اللہ پر توکل کرو تو تم اُن پرندوں کی طرح ہو جاؤ گے جو گھر سے خالی ہاتھ نکلتے ہیں اور شام کو گھونسلوں میں خالی ہاتھ آتے ہیں لیکن اس دوران میں اُن کو رزق مل جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ

پانچ وقت کی نماز رزق کی ضامن ہے اور رزق میں ضرورت کی ہر چیز آجاتی ہے۔

اگر آپ ﷺ کے سادہ سے گھر میں کچھ بچا رہ جاتا تو آپ ﷺ کو نیند نہیں آتی تھی۔آجکل کے کافرانہ نظام کے مطابق آپؐ بنک کرپٹ کہلائیں گے۔لیکن دنیا کے سارے خزانوں کے وہ مالک تھے۔نہ اُن جیسا کوئی اور ہوا۔۔۔۔۔۔۔نہ کوئی ہوگا۔

رزق کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی رازق ہے۔وہ اپنے یاد رکھنے والوں کو یاد رکھتا ہے۔

حمل کے پانچویں مہینے میں، پیدا ہونے والے بچے کے جسم میں روح پھونکی جاتی ہے۔اسی وقت اس کے رزق کا تعین بھی کر دیا جاتا ہے۔اس کی خوشیوں اور غموں کی مقدار

مقرر کر دی جاتی ہے اور اسکی موت کا وقت اور جگہ متعین کر دیا جاتا ہے۔اس نے جنت میں جانا ہے یا جہنم میں۔ یہ بھی طے ہو جاتا ہے۔ جو کچھ تمہارے مقدر میں ہے تمہیں مل کر ہی رہے گا۔ جو تمہارے مقدر میں نہیں وہ کبھی نہیں مل سکے گا۔

"ایک صحابیؓ نے حضرت محمدؐ سے پوچھا، کیا ہمارے معاملات پہلے سے طے شدہ ہیں یا ابھی طے ہونے ہیں؟ آپؐ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ معاملات پہلے سے طے شدہ ہیں۔قلم نے لکھنا بند کر دیا ہے اور ی خشک ہو چکی ہے۔"

کافر اس حقیقت کے غلط معنی نکالتا ہے اور یہ تاویل کرنے لگتا ہے کہ کیا اب ہم احمقوں کی طرح بیٹھ کر آسمانوں سے رزق اترنے کا انتظار کرنے لگ جائیں۔اس احمقانہ تعبیر کو تقدیر کا نام دیا جاتا ہے۔لیکن اس کا زندگی کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

باہر نکل کر چیزوں کو حاصل کرنا، مصیبتوں سے بچنے کیلئے احتیاطی تدابیر کرنا، ہماری ہر دھڑکن۔۔۔۔۔۔۔سب کچھ پہلے سے لکھا جا چکا ہے۔

آپ وہی کچھ کر سکتے ہیں جو آپ کے دل میں ہے۔آپ کی ہر حرکت پہلے سے طے شدہ ہے۔صرف ایک چیز آپ کے بس میں ہے، راستے کا اختیار لیکن جب کسی ایک راستے کا اختیار کر لیں اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھیں تو لگے گا کہ اس کے علاوہ آپ کچھ اختیار ہی نہیں کر سکتے تھے۔اللہ ہی ہمارے ہر کام کا کرنے والا ہے۔گو ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور ہمارے اختیار کردہ راستے کے حساب سے ہمارے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔

حضرت عمر ابن خطابؓ سے جب اس آیت مبارکہ کے بارے میں دریافت کیا گیا:"جب اللہ نے بنی آدم سے دریافت کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہیں! تو سب نے کہا

بلاشبہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔" (الاعرف ۱۷۲)

عمر ابن خطابؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول ﷺ سے بھی یہی سوال دریافت کر تے ہوئے دیکھا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ: "اللہ نے آدم کو تخلیق کیا۔پھر اسکی اولاد کو جنت سے پیدا کیا اور یہ اہل جنت کی طرح روئے رکھیں گے۔پھر اللہ نے مزید اولاد آدم تخلیق کی اور فرمایا کہ میں نے انہیں جہنم سے پیدا کیا اور انکے روئے جہنمیوں سے ہونگے۔"

ایک صحابی نے عرض کیا۔یا رسول اللہ پھر اعمال کی کیا حقیقت ہے۔آپؐ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ:"جب اللہ ایک شخص کو جنت کیلئے بنا تا ہے تو اس کو اعمال بھی جنتیوں والے دے دیتا ہے اور یہ شخص جنتی اعمال پر ہی مرتا ہے۔اسی طرح جسے جہنمی بنا دیتا ہے اسکے اعمال بھی جہنمیوں والے ہو جاتے ہیں۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:۔

"میں دو چیزیں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں۔اگر تم اِن دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:۔

"ہر شے اللہ کی جانب سے ہے اور کسی عمل کو کرنے کی توفیق بھی اللہ کی طرف سے ہے۔"

اللہ نے قرآن میں فرمایا:۔

"اللہ نے تمہیں بھی تخلیق کیا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی۔" (سورۃ صفت ۶۹)

یہ کافر کی جہالت ہے کہ پہلے پہل تو افعال اور اعمال پر بھروسہ کرتا ہے اور پھر ان

کیلئے انشورنس ڈھونڈتا ہے اور اسے رِسک کا نام دیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک کوئی شے بھی رِسک نہیں ہے، نہ قسمت۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب سے بڑھی ہوتی ہے اور اسلام کا طریقہ آپ کو اللہ کی رحمت میں داخل کرتا ہے اور اسکے غضب سے بچاتا ہے۔ کافر انشورنس اور مالی نظام کی بنیاد یہ ہے کہ یہ نظام اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کنزیومر پروڈیسر سیٹ اپ میں داخل ہوں تاکہ ان سے زیادہ سے زیادہ مال بنایا جاسکے۔ یہ انشورنس کا نظام خام مال سے اشیائے ضرورت بنانے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اس نظام والے ایسے فارموں کی کھیتی خریدتے ہیں جو ابھی اگائی ہی نہیں گئیں۔ ایسے مویشی خریدتے ہیں جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ مستقبل کے ان پیداواری مصارف کو خرید کر یہ اپنا شرح منافع (پرافٹ مارجن) بڑھاتے ہیں۔ جبکہ مستقبل کے خسارے کو انشورنس سے کور کرتے ہیں۔ انشورنس کا پریمیم اس منافع سے ادا کر دیتے ہیں۔

اس طرح کا فرد جالی نظام ایک اور غیر ضروری اقتصادی عمل پیدا کرتا ہے تاکہ اس سے زیادہ مال بنایا جاسکے۔ اس عمل میں جیت ان سرمایہ داروں کی ہوتی ہے جو انشورنس کمپنیوں اور مارکیٹوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ہارنے والے لوگ نچلی سطح کے ملازم اور کام کرنے والے ہوتے ہیں۔

اسطرح کے مستقبل کے خرید وفروخت کے نظام کی بنیاد میں لالچ اور رزق کی کمی کا خوف ہوتا ہے اور اس طرح کی تجارت مسلمان کیلئے منع ہے۔ مسلمان کو رزق کے متعلق کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ وہ مستقبل میں ہونے والی پیداوار کا سودا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ یہ اس کیلئے حرام ہے۔ پھر وہ تجارت میں (۳۰%) تیس فی صد سے زیادہ منافع بھی نہیں لیتا کہ

اس سے لوگوں کا استحصال ہوتا ہے۔ مسلمان صرف حال کے مطابق تجارت کرتا ہے۔ مستقبل کے متعلق نہیں۔ اس لئے بھی کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ انشورنس کا نظام مسلمانوں کیلئے بالکل بے معنی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر انشورنس سے پیسے نہ بنائے جاسکتے تو کافر اس نظام کو کبھی شروع نہ کرتے۔ وہ رقم جو حادثات کی صورت میں ادا کی جاتی ہے اور وہ رقم جو پریمیم کی صورت میں وصول کی جاتی ہے، سب بڑے دھیان سے حساب کتاب میں لکھا جاتا ہے تاکہ منافع زیادہ سے زیادہ کمایا جاسکے۔ اگرچہ کسی بہت بڑے خطرے کی صورت میں یہ سب حساب کتاب دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جلدی سے ایسے قوانین بنادئے جاتے ہیں تاکہ انشورنس کمپنیاں زندہ رہ سکیں۔

چونکہ انشورنس کمپنیاں بہت منافع کماتی ہیں۔ وہ بہت مہنگے وکیل کر کے قانونی نظام کو اپنے حق میں کر لیتی ہیں اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کورٹ کے باہر معاملات ایسے طے کر لیتی ہیں کہ انہیں نقصان نہ ہو۔

بیچارہ انشورنس گاہک اتنے بڑے وکیل نہیں کرسکتا اور یوں کم رقم پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ انشورنس کمپنیوں کے مالکان کو معلوم ہوتا ہے کہ گاہک عدالتی خرچہ برداشت نہیں کر پائے گا اور یوں اُسے جتنا بھی مل جائے گا، اُسے غنیمت سمجھے گا۔ اور اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ دونوں پارٹیاں عدالت میں چلی جائیں تو یہ عدالتی کام کو بڑھانے کا باعث بنے گا۔ اس کا مطلب ہے کافرانہ دجالی نظاموں کے ذیلی نظام کیلئے مزید کاروبار۔

جب کوئی شخص یا کمپنی انشورنس پالیسی خریدتا ہے یا مارگیج اور سود پر کوئی خریداری کرتا ہے یا بینک سے قرضہ لیتا ہے؛ وہ اس کنزیومر پروڈیوسر نظام میں خود کو کام کرنے کیلئے ایک قسم کا پابند کر لیتا ہے، کیونکہ تبھی وہ انشورنس پریمیم یا قرضے کی رقم ادا کرسکتا ہے۔ جتنا

خود کو انشورنس اور قرضوں کے چکر میں آپ ڈالیں گے، اتنا اس نظام کی دلدل میں دھنستے چلے جائیں گے اور کنزیومر پروڈیوسر نظام کے غلام بن جائیں گے۔

میڈیا کے نظام کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ لوگ رقوم کو زیادہ سے زیادہ خرچ کریں اور اپنے ذرائع سے زیادہ خرچ کرنے کے عادی بن جائیں۔ ایک مرتبہ وہ اس جال میں پھنس جائیں تو کرنسی کو تخلیق کر کے اور سود کے ذریعے سے اس نظام کے ٹھیکیدار زیادہ پیسے بنا لیتے ہیں۔

"اب حاصل کرو اور بعد میں رقم ادا کرنا" کا اصل مقصد قرض کے جال میں لوگوں کو جکڑنا ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے قرضے پر سود اکٹھا کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس سے لوگوں کو انشورنس کی طرف مائل کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی مہنگی چیز جب آپ قسطوں پر خریدتے ہیں تو یہ خوف کہ یہ خراب نہ ہو جائے، بڑھ جاتا ہے۔ اس سے زیادہ خوفناک صورت حال کیا ہوگی کہ ایک چیز جس کی قسطیں ابھی آپ ادا کر رہے ہیں اور وہ پہلے ہی چوری ہوگئی یا خراب ہوگئی۔

اسطرح اشیاء کی قیمتیں بڑھا کر کافر فری میسن طبقہ لوگوں کو کنزیومر پروڈیوسر نظام کی دلدل میں پھنسا کر غلام بناتا ہے اور ساتھ ساتھ منافع بھی کماتا ہے۔ قرضوں میں جکڑے اور اپنے ذرائع سے زیادہ خرچ کرنے کے عادی لوگ جوئے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں کہ کسی معجزے سے ان کے پاس اتنا مال آجائے کہ وہ قرضوں سے نجات حاصل کر سکیں لیکن جوئے میں اکثر لوگ مزید قرض میں پھنس جاتے ہیں کیونکہ جوئے کی ہر قسم کا اصل مقصد لوگوں کو اُن کے مالوں سے محروم کرنا ہے۔ اس طرح لوگ قرضوں کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کافر مالیاتی ادارے، انشورنس اور

قرضوں کے نتیجہ میں دولت کے انبار کے مالک ہو جاتے ہیں اور اس رقم کو مزید قرضوں کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔

کافر مالیاتی اداروں میں بینک سب سے زیادہ دولت اکٹھی کرتے ہیں کیونکہ ایک طرف وہ قرضوں پر سود حاصل کرتے ہیں تو دوسری طرف لوگوں کو بچت کی طرف راغب کر کے اُن کی آمدنیاں کھینچ لیتے ہیں۔ اگرچہ بینک اِن رقوم پر سود ادا کرتے ہیں لیکن وہ ان کو استعمال کر کے اور زیادہ پیسے کما لیتے ہیں۔ اس طرح بہت سی رقوم کرنٹ اکاؤنٹس میں جمع رہتی ہیں۔ بینک کو اس حقیقت کا علم ہے کہ ہر '۱۳' پاؤنڈ جو ان کے پاس جمع ہوتے ہیں، میں سے صرف ایک پاؤنڈ کیش ہو کر بینک سے باہر جاتا ہے۔ جو رقم بینکوں کے پاس ہوتی ہے وہ بے تحاشہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تقریباً ہر آدمی اور کمپنی (اداروں) کی کمائی بینکوں میں جمع ہوتی ہے۔ یہ رقم نہ صرف منافع کمانے کے کام آتی ہے بلکہ اس پیسے سے سوسائٹی کے اندر اپنی مرضی کی تبدیلی کو لایا جا سکتا ہے۔ دنیا کا نیا آرڈر بینکوں کے بغیر ممکن نہیں۔۔۔۔۔!

ان بینکوں کو فری میسن کنٹرول کرتے ہیں۔ کارپوریشن جو کنزیومر پروڈیوسر سسٹم کو چلانے والی ہیں ان کا کنٹرول بھی فری میسن کے پاس ہے۔ کافر ممالک کی حکومتیں بھی فری میسنوں کے کنٹرول میں ہیں۔ یوں اِن تینوں کی ملی بھگت سے یہ دنیا پر اپنا کنٹرول مضبوط کرتے رہتے ہیں اور کافر قانونی نظام اِن کی معاونت کرتا ہے۔ یہ تینوں بڑے پروجیکٹس کے ذریعے سے یہ کنٹرول حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ان پروجیکٹس میں کام کرنے والوں سے کوئی رائے نہیں لی جاتی کہ کیا وہ بھی یہ چاہتے ہیں یا نہیں؟ یہ کام کرنے والے تو صرف پیسے کے چکر میں پروجیکٹس میں کام کرتے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ان مقاصد سے

بھی اتفاق کرتے ہوں جن کیلئے یہ پروجیکٹس لگائے گئے ہیں۔ظاہری بات ہے کہ فرمیسن ان پروجیکٹس کو لگانے کا فیصلہ کرتے ہیں اور وہ یہ فیصلہ اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ انہیں ان پروجیکٹس کا بہت منافع ہو۔پھر یہ سارا بزنس ان بینکوں کے ذریعے ہوتا ہے جن کا کنٹرول ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

کافرانہ اور دجالی نظام خود کو مسلسل ترقی دیتا رہتا ہے۔جب لوگ اس میں اور اس کیلئے کام کرتے ہیں تو ان کا کام مال بناتا ہے اور یہ مال مزید مال بنانے کے کام آتا ہے۔

کارپوریشن اور کمپنیوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔وہ تو ایک بھیس میں فری میسن کے کاموں پر پردہ ڈالنے کیلئے ایک مصنوعی ڈھانچہ ہوتا ہے۔ایک ایسا تصوراتی ڈھانچہ جو اس کارپوریشن میں کام کرنے والوں کو اپنے جال میں پھنسا کر رکھتا ہے۔ان کارپوریشن کے ذریعے سے فری میسن نہ صرف بہت سارا مال بنا لیتے ہیں بلکہ لوگوں کو اپنے کنٹرول میں بھی رکھتے ہیں۔کافرانہ ٹیکس کا نظام اصل میں کافرانہ مالیاتی نظام کا ایک حصہ ہے۔اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی مرضی کے مطابق اپنی آمدنیوں کو خرچ نہ کرنے لگ جائیں اور یہ کہ کنزیومر پروڈیوسر سسٹم چلتا رہے۔

ٹیکس اکٹھا کیا جاتا ہے اور مختلف ناموں اور بھیس بدل کر ان کے مختلف اثرات کے ذریعے سے جب یہ مال اکٹھا ہو جاتا ہے تو اس مال کو فری میسنوں کی مرضی کے مطابق سوشل پروجیکٹس پر لگایا جاتا ہے۔مثلاً ایسے پروجیکٹس جن میں بلڈنگ کارپوریشن، جو فری میسنوں کی ملکیت میں ہوں انہی کو بلڈنگ بنانے میں لگایا جاتا ہے۔

یہ دلیل کہ وہ حکومت جو لوگوں کے انتخاب کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔وہ ایسی پالیسیاں بنائے گی جو لوگوں کیلئے اور ان کے حق میں ہوگی بالکل لغو بات ہے۔

اول۔تو جو گورنمنٹ لوگوں کے انتخاب کے نتیجہ میں بنتی ہے صحیح معنوں میں حکومت نہیں ہوتی۔اصل میں یہ کٹھ پتلی لوگ ہوتے ہیں جولوگوں کی توجہ اصل حکمرانوں سے ہٹائے رکھتے ہیں، یہ اصل حکمران فری میسن ہیں۔

دوئم۔اس جمہوری نظام کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جو کٹھ پتلی حکومت بھی منتخب کی جاتی ہے۔وہ ملک کی اقلیت منتخب کرتی ہے۔گو وہ ان لوگوں کی اکثریت سے وجود میں آتی ہے جو ووٹ دینا پسند کرتے ہیں۔

اصل وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ ووٹ کی تکلیف بھی گوارہ نہیں کرتے کہ اُن کو انتخابات میں صحیح چوائس نہیں دیا جاتا۔اُن کے سامنے جو امیدوار منتخب کرنے کیلئے رکھے جاتے ہیں، وہ خاص قسم کے طبقے سے ہوتے ہیں۔عام طور پر دونوں امیدواروں کے نقلی وعدوں پر لوگوں کو اعتبار نہیں ہوتا اور وہ لوگوں کے مسائل کی حقیقی ترجمانی بھی نہیں کرتے۔ لوگ ان کو اس لئے ووٹ دیتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی اور چوائس نہیں ہوتی۔لوگوں کی میڈیا کے ذریعے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ اپنے ملک میں حکومت کا انتخاب خود کریں۔ لیکن آخر میں وہی لوگ منتخب کئے جاسکتے ہیں جو بیلٹ پیپر پر ہوں اور بیلٹ تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو اصل حکمرانوں یعنی فری میسنوں کے حق میں ہوں۔

اب لوگ ووٹ دیں یا نہ دیں، آخر میں ایک حکومت منتخب کر لی جاتی ہے اور پردے کے پیچھے اصلی طاقت فری میسنوں کے پاس رہتی ہے۔کچھ کافر ممالک تو الیکشن کی تکلیف بھی نہیں کرتے۔نام کے ساتھ عوامی جمہوریہ لگانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

کافر ممالک کی اصل حکومت کافر مالیاتی اور تجارتی اداروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔یہ ادارے فری میسنوں کے ہاتھ میں ہیں۔سب سے بڑا مالیاتی ادارہ بینکنگ سسٹم

ہے کیونکہ یہکنز یومر پروڈیوسر نظام کیلئے خون مہیا کرتا ہے۔نہ صرف قومی معاملات میں بلکہ ملکوں کے درمیان مختلف کرنسیوں کے ذریعے مالیاتی کام اسی نظام کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔کرنسی بذات خود ایک بکنے والی شے بن جاتی ہے۔

جب کرنسی کو ایک سے دوسری میں بدلا جاتا ہے تو اس پر کمیشن لیا جاتا ہے۔یہ خرید وفروخت جادوئی ہوتی ہے۔کیونکہ اکثر رقم ہاتھ نہیں بدلتی بلکہ کمپیوٹر میں نمبر تبدیل کرنے پر منافع حاصل کیا جاتا ہے۔بالکل ایسا ہی سٹاک ایکسچینج پر ہوتا ہے۔

یہ نظام کارپوریشنز کیلئے بہت مفید ہوتا ہے کیونکہ بینک کی نسبت لوگوں سے ادھار لینا بہت سستا ہوتا ہے اور سٹاک خریدنے والوں کو بھی یہ نظام بہت اچھا لگتا ہے کہ اس میں زیادہ منافع کمائے جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔

لیکن اصل میں مختلف سٹاک خود خرید وفروخت کی شے بن جاتے ہیں۔ان کی خرید وفروخت کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔ایک وجہ ان کمپنیوں پر کنٹرول کرنا ہے۔اس طرح فری میسن اکثر کمپنیوں کو کنٹرول کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس ان سٹاک کو خریدنے کیلئے رقم ہوتی ہے۔ایک مرتبہ جب وہ کنٹرول کر سکنے کے برابر سٹاک خرید لیتے ہیں تو پھر وہ اپنی مرضی کا سٹاف لیکر آتے ہیں۔

یہ ایک طریقہ ہے جس سے دجال کے نظام کا ظہور ہوتا ہے۔عام وجہ سٹاک خریدنے اور فروخت کرنے کی مال بنانا ہوتا ہے۔ایک دوسری وجہ منافع کمانے کے لئے آسان طریقہ کا ہوتا ہے۔جوئے کی طرح یہ سب کچھ کاغذ یا سکرین پر ہوتا ہے۔ایک مشہور طریقہ ہے کہ شیئرز کو خرید لیا جائے۔اگرچہ آپ کے پاس خریدنے کیلئے رقم نہ ہو،اس امید کے ساتھ کہ اس کو بڑی رقم پر بیچ دیں گے۔اس طرح منافع کے بعد اصل رقم واپس کر دی

جائے۔

الغرض خرید وفروخت کا یہ سلسلہ بغیر کسی محنت اور رقم لگائے چل سکتا ہے۔کافر نظام کی اقتدار کی جنگ سٹاک ایکسچینج اور منی ایکس چینجز پر لڑی جاتی ہے۔کنزیومر پروڈیوسر نظام بھی اہرامی نظام ہے اور اس میں بھی لڑاؤ/ تقسیم کرو اور حکومت کرو کا اصول اپنایا جاتا ہے۔اصل تقسیم کنٹرول کرنے اور کنٹرول ہونے والوں میں ہے۔مالیاتی لفظوں میں ادھار دینے والوں اور ادھار لینے والوں کی تقسیم ہوتی ہے۔

کوئی بھی بڑی کمپنی شروع میں ادھار پر چلتی ہے۔طریقہ یہ ہے کہ پیسہ ایک جگہ سے لیکر دوسری جگہ لے جایا جاتا ہے اور پہلی رقم دکھا کر اور ادھار لیا جاتا ہے۔اس طرح بغیر کچھ کیے اپنی دولت میں اضافہ کرلیا جاتا ہے۔اب اس دولت کو سیکیورٹی بنا کر اور ادھار لے لیا جاتا ہے اس طرح آٹھ دفعہ مختلف جگہوں سے ادھار لے کر دولت کا انبار لگا لیا جاتا ہے اور اس دولت سے بزنس چلا کر منافع کمایا جاتا ہے اور منافع کے چکر میں بے رحمی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔

پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب ایک کارپوریشن نے اپنے بزنس سے بہت پیسہ بنا لیا ہو اور اُسے مزید ادھار کی ضرورت نہ رہی ہو،اس موقع پر وہ دوسری چھوٹی کمپنیوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیتی ہے۔اس قبضہ کا ایک طریقہ معاہدہ ہے اور دوسرا سٹاک خریدنے کا ہے۔بعض اوقات ایک کمپنی جو بہت سے ملکوں سے پیسہ کما رہی ہوتی ہے،وہ اپنا بینک بنا لیتی ہے۔اس طرح وہ بینکنگ کا پیسہ بھی اپنے پاس رکھنے لگتی ہے۔

مرکزی بینک روپیہ چھاپتے رہتے ہیں اور اس پر منافع کماتے رہتے ہیں۔کمانے کا یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہتا ہے۔مثلاً اگر کسی نے بینک سے ($10,000) دس ہزار ڈالر

ادھار لیے ہیں تو ادھار لینے کے بعد وہ انہیں بینک ہی میں جمع کراتا ہے۔ چونکہ وہ یہ ہر وقت خرچ نہیں کرسکتا تو یہ رقم بینک کیلئے مفت ہے اور وہ یوں اس سے بھی منافع کماتا ہے۔

جہاں تک لوگوں کی انفرادی بینک پریکٹس کی بات ہے بظاہر یہ غیر اہم لگتی ہے لیکن اگر پوری دنیا میں ہونے والی بینکنگ کا حساب لگایا جائے تو وہ بھی کافی مقدار کا منافع بینکوں کے ہاتھ لگ جانے کا باعث ہے۔ بینکوں کا قرضہ اگر واپس نہ بھی کیا جائے تو ان کو نقصان نہیں ہوتا۔ اصل اہم بات ہے کہ قرضوں کے ذریعے وہ قرضہ لینے والوں پر اپنی مرضی چلا سکتے ہیں۔ قرضہ کے ذریعے سے کنٹرول حاصل کیا جاسکتا ہے۔

قرضہ کے ذریعے کنٹرول اور خوف کے ذریعے حوصلہ افزائی کا مکمل مظاہرہ ورلڈ بینک اور ''آئی۔ایم۔ایف'' کے ذریعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ آئی۔ایم۔ایف دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کو قرضہ دیتا ہے اور ورلڈ بینک غریب ملکوں کو۔

ان دونوں اداروں کے پاس کمپیوٹر پر اتنی رقم ہے کہ رقم کے معنی گم ہو جائیں۔ ان کا اصل مطلب دنیا کے ملکوں پر اپنا کنٹرول ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی حکومت نہیں جس پر قرضہ نہ ہو اور جب کوئی حکومت قرضہ لے لیتی ہے تو اُس کو بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیسے کہاں خرچ کرے گی اور اگر ایسا کرے تو اسے مزید رقم مل سکتی ہے اور اگر وہ کسی اور طرح کرے گی تو اسے مزید ادھار نہیں ملے گا۔ اس وقت دنیا پر کنٹرول کا بڑا طریقہ یہی اپنایا گیا ہے۔ اسی کو نوآبادیاتی نظام کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ بظاہر ان ملکوں کو آزادی دے دی گئی ہے لیکن یہ آزادی اسی صورت میں دی گئی؛ تاکہ وہ ملک کنزیومر پروڈیوسر نظام کی گرفت میں آجائے اور اس نظام کو چلانے کیلئے وہ کافر بینک سسٹم کا محتاج ہو جائے۔

غیر مسلم ملکوں کا زیادہ تر قرضہ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے دوران پیدا کیا

گیا ۔لیکن مسلم ممالک کا قرضہ بیسویں صدی کے دوران پیدا کیا گیا۔یہ سب کچھ جمال الدین افغانی، محمد عبدہ ،راشد رضا کی وجہ سے ہوا۔جنہیں لارڈ کرومر کی فری میسن رہائش کا اعزازی رکن بھی بنایا گیا۔ان لوگوں نے مسلم حکمرانوں کو کسی طرح سے سمجھا دیا کہ چند خاص قسم کے سودی بزنس حرام نہیں ہیں۔اگر چہ یہ حلال بھی نہیں ہیں لیکن کرنسی اور نوٹوں کو اختیار کرنا مناسب ہے اور اس طرح حرام بینکنگ سسٹم ان ملکوں میں ترقی اور جدیدیت کے نام پر رائج ہو گیا۔

ملکوں کا لیا ہوا قرض کبھی بھی واپس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اسے اسی نیت سے بنایا گیا ہے۔البتہ اس قرض کے ذریعے سے ملکوں کو ٹیکسوں پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور الیکشن میں ووٹ دیتے وقت عوام یہ دیکھتے ہیں کہ کون اُن کو ٹیکسوں میں چھوٹ دیتا ہے۔یہ ہے ماڈرن جمہوریت کی حقیقت ہے کہ عوام کی ایسی حکومت جو قومی قرضوں کو پورا کرنے کیلئے عوام پر ٹیکس لگائے۔یہ ہے قرضوں کے ذریعے کنٹرول اور خوف کے ذریعے حوصلہ افزائی کی حقیقت۔یہ ہے نئے ورلڈ آڈر کی بنیاد، عوام کی اقتصادیات پر کنٹرول جو لبرل سیاسی آزادی کا بھیس بدل کر آتی ہے۔

مختصراً یہ کہ جو لوگ کافر ممالک پر حکومت کرتے ہیں، وہ ٹیلی وژن پر آنے والے سیاست دان نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو ان کے مالیاتی اداروں کو کنٹرول کرتے ہیں اور وہ فری میسن ہیں۔

کافر بینکنگ سسٹم کے ذریعے ادھار اور اُس پر سود دے کر قرضوں کو اتنا بڑھا دیا جاتا ہے کہ ان کا واپس کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے۔ایسی جھگڑوں کی صورت پیدا کی جائے کہ اس میں اسلحہ اور اشیاء بیچی جا سکیں، تاکہ وہی قرضہ اشیاء اور اسلحہ کے خریدنے میں لگ

جائے اوراسطرح کنٹرول بڑھتا چلا جائے۔

جھگڑے اورلڑائی کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔سٹاک ایکسچینج کے اوپر نیچے جانے سےلیکر جنگ کی واضح صورتوں تک ہرقسم کے حربےفری میسن شروع کرتے ہیں۔مثال کے طور پر۱۹۷۰ء کے پام آئیل کی وجہ سے مسلمان ملکوں کے پاس آئل کی دولت اکٹھی ہوگئی تھی۔اس دولت کوہتھیانے کے لئے اورکم کرنے کیلئے کرنسی کی قیمت میں تبدیلی کی گئی۔

۱۹۸۰ء میں عراق کوخوب اسلحہ دیا گیا تا کہ وہ ایران پر جنگ مسلط کر سکے۔اس جنگ سے ایران اورعراق کا انٹرنیشنل بینکنگ سسٹم پرانحصار بڑھ گیا۔پھرعراق کوکویت پر حملے کیلئے اکسایا گیااور ساتھ ہی دوسرے ملکوں کوڈرایا گیا کہ اگرامریکی فوجوں کوان ملکوں میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو عراق اِن پربھی حملہ کرسکتا ہے۔فوجیں آئیں نئی ٹیکنالوجی اورہتھیاروں کی آزمائش کی گئی۔کویت کوتباہ کروایا گیااور پھر بنوایا گیا۔عراق کوتباہ کروایا گیا۔سعودی عرب اورگلف کےملکوں نے اس جنگ میں بلین کے حساب سے ڈالراور پرانے بیکارہتھیاروں کوخریدا۔

۱۹۹۰ء میں اسلحہ کی انڈسٹری سے بہت پیسہ بنایا گیا۔اس طرح تیل کی دولت کو عملی طور پر بےکار بنادیا گیا۔بی۔سی۔سی۔آئی۔راتوں رات بندکردیا گیااورمسلمانوں کی دولت کوایک دم سے دنیا سے غائب کردیا گیا۔ایک مرتبہ پھر سے ہر بات تیار کیے ہوئے پلان کے مطابق ہوئی۔نئے ورلڈآرڈر کے چمپیئن پھر سے کام یاب ہوگئے۔اس طرح کے پلان سےہٹلراورعذرا پاؤنڈ واقف ہوگئے تھےاوراس طرح کے منصوبوں کوانہوں نے ناکام بنانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

ایک وجہ انکی ناکامی کی یہ تھی کہ وہ خودزندگی کی حقیقت سے بےخبر تھے۔اصل

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اصل وجود صرف اللہ کا ہے۔ اللہ کے علاوہ جو بھی نظر آتا ہے، اسکا وجود صرف اسی وقت ہوتا ہے، جب آپ اس کو وجود دیتے ہیں۔ محمدؐ کا طریقہ یہ ہے کہ حقیقت کو صرف اللہ کے وجود میں دیکھا جائے، کفر کا طریقہ یہ ہے کہ حقیقت کو اللہ کے ماسوا سے منسوب کیا جائے۔ اگر کافی لوگ جو اس وقت کنزیومر پروڈیوسر نظام کے غلام بن چکے ہیں؛ وہ فیصلہ کرلیں کہ وہ محمدؐ کے طریقہ پر چلیں گے اور اللہ کے ماسوا کی حقیقت سے انکار کر دیں گے، جس کے لئے ان کا ذہن، تعلیم اور میڈیا کے ذریعے بنایا گیا ہے تو کنزیومر پروڈیوسر نظام بیٹھ جائے گا۔ خاص طور پر جب مسلمان پیپر کرنسی اور پلاسٹک کرنسی کو ترک کر دیں تو اس نظام کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

پس کفر سے لڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس سے لڑا نہ جائے بلکہ اُسے چھوڑ دیا جائے۔ اُسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اس نظام کو چھوڑنے کا طریقہ، محمدؐ کے راستے پر چلنا ہے۔ یہ نظام پہلے ہی تباہی کے کنارے کھڑا ہے۔ اس کو چھوڑنا آسان ہو چکا ہے۔ جب یہ نظام تباہ ہوگا تو صرف مسلمان ہی مستقبل کا معاملہ کرسکیں گے۔

اب اختیار آپ کا ہے۔۔۔۔۔!

دجالی نظام کی کمزوری کی ایک وجہ کاغذی کرنسی ہے۔ جو اصل میں قیمت کے لحاظ سے اس کاغذ کے برابر ہے جس پر وہ نوٹ چھپا ہوتا ہے۔

کرنسی کا یہ جادو اس لئے چل رہا ہے کہ کافی لوگ اس بے کار نوٹ کو قیمتی سمجھتے ہیں، ورنہ اس کاغذ کی اصل میں کوئی قیمت نہیں۔ یہ تو کمپیوٹر کی یاداشت کا ایک نمبر بن کر رہ گیا ہے۔ وہ لوگ جو اسے قیمتی سمجھتے ہیں اصل میں ایک بہت بڑے فراڈ سکیم کا حصہ بن چکے

ہیں، جونہی اس سکیم کا بھانڈا پھوٹ گیا تو اس کرنسی پر اعتماد کرنا مشکل ہو جائے گا۔

ایک نہ ختم ہونے والی بحث قیمتوں کے زیادہ ہونے کے بارے میں جاری ہے۔ یہ ایک فرضی مسئلہ ہے، جس کو حل کرنے کی بے کار کوششیں کی جارہی ہیں۔ اسلئے کہ اصل مسئلہ قیمتوں کا بڑھا ہونا نہیں۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اس کرنسی کی اپنی ذاتی کوئی (Value) قدر نہیں ہے ۔۔۔۔! اس بات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ کرنسی کی تاریخی حیثیت اور بینکنگ کے آغاز کو دیکھا جائے۔

پہلے وقت میں نقدی رقم (Money) سونے یا چاندی کی دھاتوں کی صورت میں ہوتی تھی۔ چونکہ یہ ان قیمتی دھاتوں سے بنتی تھی اس کی اپنی قیمت ہوتی تھی۔ حتٰی کہ جب اس کو پگھلا بھی لیا جاتا تو کرنسی نوٹوں کے برعکس اس کی اپنی قیمت برقرار رہتی تھی۔ ملکوں کے درمیان بھی اگر سفر کرنا پڑتا تو دھات کے سکّے استعمال ہو جاتے تھے۔ یورپ کے ٹرنٹی چرچ کے اصلاحات سے قبل سودی کاروبار ممنوع تھا۔ نہ تو عیسائی اور نہ ہی یہودی اصولاً سودی کاروبار کر سکتے تھے۔ ان اصلاحات کے دوران یہودیوں نے کہنا شروع کیا کہ غیر یہودیوں سے سود وصول کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے کہا غیر سود کے بجائے کم سود زیادہ مفید ہے اور سب سے آخر میں مسلمانوں نے بھی سود کے بجائے اسے کوئی اور نام دے کر اپنے لئے جائز قرار دیا۔

جونہی سود کا رواج ہوا تو کرنسی بذاتہی ایک خرید و فروخت کی شے بن گئی اور اس کا اصل مقصد کہ وہ اشیاء کے لئے تبادلے کا واسطہ تھی، اس کرنسی کاروبار میں کم ہو گیا اور اس طرح مارکیٹ کی قوتوں کے زیر اثر آ گئی۔ پہلے بینک لوگوں کی امانتوں کو محفوظ جگہ رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ اگرچہ کرنسی کی قیمت اس وقت بھی موجود تھی۔ لوگ اپنا سونا، چاندی

بینکوں میں جمع کرواتے تو ان کو ایک رسید دے دی جاتی ۔جس پر لکھا ہوتا کہ رسید والے صاحب کو ضرورت پڑنے پر اس کے بقدر سونا یا چاندی دے دیا جائے۔ رسید والا اس سونے کے بقدر اور چیزیں خرید سکتا تھا اور فروخت کرنے والا چیزوں کے عوض رسید لے لیتا۔ چونکہ سونا اور چاندی بھاری دھاتیں ہیں ۔بینکوں نے کرنسی کا نوٹ چھاپنا شروع کر دیا۔اب وہ کرنسی کئی ہاتھ بدلتی ،لیکن اس کے بقدر سونا یا چاندی بینکوں میں موجود رہتا۔

یہاں پر بینک کے مالکان نے ایک راز دریافت کیا کہ ہر تیرہ پاؤنڈ گولڈ یا سلور پر صرف ایک پاونڈ اصل مالکان لینے آتے ۔اس کا مطلب یہ تھا کہ بارہ پاونڈ ان کے پاس ہر وقت موجود ہوتے اور وہ ان کو سود پر دوسروں کو دے سکتے تھے۔

اس کا یہ مطلب بھی نکالا گیا کہ ہر ’۱۳‘ کرنسی کے نوٹوں کے مقابلے میں انہیں صرف ایک نوٹ کے بقدر سونا یا چاندی رکھنے کی ضرورت تھی اور باقی ’۱۲‘ نوٹ اپنے مقابلہ میں کچھ نہ رکھتے ہوئے بھی چھاپے جا سکتے تھے۔اس طرح ایک پاؤنڈ گولڈ یا سلور کے مقابلہ میں ’۱۳‘ کرنسی نوٹ چھاپے جانے لگے۔لیکن ابھی بھی کرنسی نوٹ کے ساتھ جب کوئی بینک جاتا تو اُسے اس کے بقدر سونا یا چاندی مل جاتا تھا۔ جب تک ہر کوئی ایک ہی وقت میں پہنچ کر اپنے حصے کا سونا یا چاندی طلب نہ کرتا تھا یہ بینک محفوظ طریقے سے چل رہے تھے۔اس وقت نوٹوں کی اصل قیمت ان کی لکھی ہوئی قیمت کا تیرواں حصہ تھی۔

آہستہ آہستہ لوگ کرنسی کے نوٹوں کے عادی ہوتے گئے اور اب شاذ و نادر کوئی نوٹ کے مقابلہ میں سونا یا چاندی طلب کرنے لگا۔ ہر کسی نے یقین کر لیا کہ نوٹ کے اوپر جو کچھ لکھا ہے، یہ اس نوٹ کی قیمت ہے۔اسی دوران میں بینکوں کا کاروبار بڑھنے لگا اور ساتھ ہی آج کا کنزیومر پروڈیوسر سسٹم اپنی جڑیں پکڑنے لگا۔اب بینک مزید نوٹ بھی

چھاپنے لگا اور ساتھ ہی سود میں بھی اضافہ ہونے لگا اور سودی کاروبار سے بینک اور بھی مالدار ہوگئے۔قومی قرض بڑھنے لگا۔زیادہ نوٹ چھاپے جانے لگے اور کاغذوں پر قرض کی مقدار بہت بڑھنے لگی لیکن اب جو نوٹ چھاپے جا رہے ہیں، ان کے بقدر کوئی سونا اور چاندی بالکل ہی موجود نہیں۔تیرواں حصہ بھی نہیں۔اس طرح کرنسی نوٹوں کی اصل قیمت کچھ بھی نہیں رہی۔اب اصل کرنسی نوٹ بھی بینکوں میں نہیں رہے اور صرف کاغذوں یا کمپیوٹر کی میموری میں بندھے باقی رہ گئے۔یعنی اگر تمام لوگ بینکوں کے پاس آ کر اپنے نام کے کرنسی نوٹ بھی مانگیں تو بینک وہ بھی مہیا نہیں کر سکتے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بینک اب دو گہری چالیں اپنے گاہکوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔پہلی چال تو ہر ایک کو یہ فریب دینا کہ ہر نوٹ کے بقدر کچھ سونا، چاندی موجود ہے۔دوسری چال یہ کہ کمپیوٹر اور کاغذوں پر جو کرنسی لکھی ہوئی ہے وہ واقعی موجود ہے۔

فری میسن کے جادوگروں نے دنیا پر بینکنگ یہ کا جادو کیا ہے۔اور جب تک لوگوں کی اکثریت اس طلسم کا شکار ہے یہ بینکنگ کا نظام چلتا رہے گا۔پہلی جنگ عظیم کے بعد (۱۹۱۴ء-۱۹۲۰ء) دنیا کے اکثر ملکوں کا قومی قرض 475% بڑھا ہے۔ان میں اکثر مال ہندسوں پر مشتمل ہے اور اصل کرنسی کے نوٹ اس قرضے سے بہت کم ہیں۔اگلے دس سالوں میں سونے اور چاندی کے بقدر نوٹ چھاپنے کا سلسلہ بین الاقوامی طور پر بند کر دیا گیا کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا۔اس لئے اب نوٹ لے کر اس کے بدلے میں سونا لینا ممکن نہیں رہا۔اب کرنسی کی قیمت کو بین الاقوامی بینکنگ سسٹم اپنی مرضی سے تبدیل کر سکتا ہے۔اب حکومتوں کی پالیسیوں اور بین الاقوامی مارکیٹ کے ذریعے نوٹوں کی قیمت کا تعین کیا جانے لگا۔٦

دوسری جنگ عظیم میں اور قرض پیدا کیا گیا اور دو سو سالوں کے سود در سود قرضوں کی وجہ سے یہ قرض اتنے بڑھ گئے ہیں کہ آئی۔ایم۔ایف۔اور ورلڈ بینک جیسے ادارے قائم کرنا پڑے تا کہ ان قرضوں کے ذریعے مصنوعی قیمتوں کا اضافہ قائم رکھا جا سکے۔یوں قیمتوں کے اضافہ کا زمانہ آ گیا۔ظاہر ہے فری میسن بینکنگ نظام ایک خوف ہے کہ کہیں بہت زیادہ لوگ اپنے حساب میں کرنسی نوٹوں کا مطالبہ ایک ہی وقت میں نہ کر بیٹھیں۔ اگر چہ بہت سے نوٹ پرنٹ کیے جا سکتے ہیں لیکن اس میں یہ ڈر ہے کہ ان کا طلسم ٹوٹ سکتا ہے۔وہ طلسم جس کے ذریعے سے لوگ کسی نوٹ کی کچھ قیمت سمجھتے ہیں۔

صرف نوٹوں کا ترتیب سے چھاپنا، نہ بہت زیادہ، نہ بہت کم ہی لوگوں کو اس طلسم میں رکھ سکتا ہے۔ظاہر ہے جن کی دولت بینکنگ کے نظام میں پھنسی ہوئی ہے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہ سارہ نظام مصنوعی ہے اور اس دولت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے ان کے ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں کی اصل میں کچھ وقعت نہیں۔

اس سب فراڈ کو چھپانے کیلئے جان کینز (John M. Keynes) جیسے لوگوں نے اقتصادیات کی نئی تھیوریاں پیش کی ہیں۔کینز نے یہ نظریہ پیش کیا کہ لوگوں کی کرنسی کے نوٹوں کی طلب کو بینک ریٹ کے ذریعے سے کم یا زیادہ کیا جا سکتا ہے۔کم سودی شرح سے لوگوں میں خرچ کرنے کا رجحان بڑھتا ہے اور زیادہ شرح سے لوگ کم خرچ کرتے ہیں۔

اس نظریے نے دو مقاصد حاصل کیے۔ایک تو اس سے کنزیومر پروڈیوسر سسٹم کو اپنی مرضی کے مطابق منظّم کیا جا سکتا ہے۔دوسرے لوگوں میں کرنسی کے نوٹوں کی طلب کو زیادہ یا کم کیا جا سکتا ہے۔

آج بین الاقوامی بینکنگ سسٹم نے ایک اورصورت اختیار کی ہے کہ لوگ اپنے حصہ کے کرنسی نوٹ ایک دم نہ مانگ لیں۔وہ کرنسی نوٹ جواصل میں وجود بھی نہیں رکھتے۔ بنیادی طور پر وہ کرنسی نوٹ کا رکھنا ہی غیر ضروری بنا رہے ہیں۔اسطرح چیک اور پلاسٹک کارڈ کے ذریعے منی ایکسچینج ہونے لگی ہے۔ پلاسٹک کارڈ میں آپ کے متعلق ساری معلومات موجود ہوتی ہیں اور یہ گارنٹی بھی کہ بینک آپ کی جگہ رقم تجارت کے نتیجہ میں ادا کردے گا۔اس طرح کی تجارت میں کوئی کرنسی ہاتھ تبدیل نہیں کرتی۔صرف ہند سے ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں یا ایک فائل سے دوسری فائل میں ٹرانسفر ہوتے ہیں۔ پلاسٹک کارڈ کے ذریعے سے اگر زیادہ تجارت ہونے لگے تو کرنسی نوٹوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

البتہ ہر کام کرنے والے کیلئے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ بینک میں اپنا اکاؤنٹ ضرور کھولے۔اس کا مطلب ہے کہ ہر فرد بینک پر انحصار کرے۔جس کا مطلب ہے کہ ہر شخص پر کنٹرول بڑھ جائے کیونکہ اگر آپ کی ساری دولت بینک کے کمپیوٹر میں جمع ہے تو ایک اشارے سے وہ ختم کی جاسکتی ہے یا کورٹ کے آرڈر سے اس میں سے اپنی مرضی کی رقم نکالی جاسکتی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ اگر آپ کو اپنی دولت پیاری ہے تو سوچ سمجھ کر رہیں۔اس لئے آج کا بینک لوٹنے والا گن کی بجائے کمپیوٹر ہیک کرتا ہے۔اگر سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو اکیسویں صدی میں تو کریڈٹ کارڈ لوگوں کی شناخت کا ذریعہ بن جائیں گے۔ ہر ایک کی ذاتی آمدنی اور اخراجات کمپیوٹر پر موجود ہونگے۔ان کو آمدنی سے زیادہ اخراجات پر خرچ کرنے کیلئے آمادہ کیا جائے گا اور لوگ مستقل قرضوں میں دبے رہیں گے۔اس طرح حکومتیں بھی قرضوں میں دبی رہیں گی۔

اب ہم نے دیکھ لیا کہ کافر دجالی نظام نے بین الاقوامی بینکنگ کے ذریعے سے کرنسی کے نوٹوں کو تقریباً بے کار بنا دیا ہے۔ بلکہ اب تو اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ کرنسی بے کار ہے یا نہیں۔ کیونکہ اب ہر شخص کا اپنے مالیاتی معاملات کیلئے بینکنگ پر انحصار بڑھ گیا ہے۔ بینک خود میڈیم آف ایکسچینج بن گئے ہیں۔ جیسے جیسے انٹرنیٹ کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ مالیاتی معاملات اور بھی کم فزیکل ہو رہے ہیں۔

اگر اس کمزور ڈھانچہ کی پاور سپلائی کو کاٹ دیا جائے تو پھر کیا ہوگا۔ اللہ ہی ہے جو ساری طاقتوں کو طاقت بخشتا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہ کوئی قوت ہے، نہ طاقت۔ دنیا کا موجودہ نظام سود پر قائم ہے اور سودی نظام پر قائم نظام مضبوط نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ سود حرام ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے سودی نظام کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

"اے ایمان والو! سود کو چھوڑ دو اگر تم یقین رکھتے ہو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور رسولؐ سے جنگ کرو گے۔۔۔۔۔" (سورۃ البقرہ ۲۷۸-۲۷۹)

کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی نے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے جنگ کی ہو اور وہ جیتا ہو؟ اور اگر بالفرض سود کے خلاف جنگ نہ بھی ہوتی تو بھی ہر شے نے گزر جانا ہے۔

کافر سوسائٹی میں نہ صرف لوگوں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ بینکوں پر انحصار کریں بلکہ اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ اپنی ہمت سے بڑھ کر خرچ کریں تاکہ مالیاتی اداروں کے مقروض ہو جائیں۔ عام آدمی سے لیکر حکومتوں تک لوگ ورلڈ بینک، آئی۔ایم۔ایف۔ اور بینکوں کے مقروض ہیں۔ اصل قرضہ کتنا ہے یہ بات اہم نہیں ہے

۔کیونکہ ویسے بھی یہ سارا دھندا صرف کمپیوٹر تک محدود ہے۔

اصل بات وہ کنٹرول اور استحصال ہے، جو اس قرضے کے ذریعے لوگوں اور حکومتوں کا کیا جاتا ہے۔اس کنٹرول اور اثر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام بینک تھوڑے دنوں کیلئے بند کر دئے جائیں تو کنزیومر پروڈیوسر نظام دھڑام سے گر جائے گا اور پھر اگلا ورلڈ آڈر شروع ہوگا۔

فری میسن نظام کا مقصد یہ ہے کہ ہر کوئی اس کنزیومر پروڈیوسر نظام میں لگ جائے۔حقیقت میں ان کی خواہش ہے کہ پوری دنیا ایک ہی کام میں پوری توجہ سے لگ جائے اور وہ ہے اقتصادی کام۔اگر اس منزل تک پہنچنا ہے تو ایک کرنسی لے کر آنا ہوگی۔ ہر ایک کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا جائے گا۔اگر چہ فری میسن ایلیٹ طبقہ کی ضرورتوں کو بہتر طریقے پر پورا کیا جائے گا۔اس کا مطلب ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کے لئے آرام مہیا کیا جائے گا۔لیکن وہ مرنے کے بعد کی زندگی کیلئے تیار نہ ہو پائیں گے۔

خوش قسمتی سے ہمیں قرآن وحدیث کے ذریعے معلوم ہے کہ ان کا یہ خواب کبھی پورا نہ ہوگا۔نیا ورلڈ آڈر یقیناً ناکام ہو جائے گا۔کافر نظام بالآخر ختم ہو جائے گا۔جن لوگوں کا استحصال کیا جا رہا ہے بالآخر وہ اس کنزیومر پروڈیوسر نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے۔

ایک وقت ایسا آجائے گا کہ لوگوں کو کرنسی کی اصل قیمت کا احساس ہو جائے گا کہ کمپیوٹر کے اندر جو ہندسے لکھے ہیں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔۔۔۔!وہ کافر بینکنگ نظام پر انحصار کرنا چھوڑ دیں گے۔

اسلام کی موجودہ تحریکوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اپنے آپ

کواس کافرانہ نظام سے لاتعلق کرتے جائیں گےاوراس طرح اس نظام کے جال میں آنے سے بچ جائیں گے۔ جب زیادہ لوگ اس نظام کی حقیقت کو سمجھنے لگ گئے، تو اتنا ہی یہ نظام ناکام ہوتا چلا جائے گا۔ جب مسلمان متحد ہونے کی کوشش کریں گے تو یہ نظام ان کو تباہ کرنے کے درپے ہوگا۔ یہ کوششیں اس وقت بالکل ظاہر ہوکر سامنے آئیں گی، جب دجال فرد کے طور پر بھی ظاہر ہو جائے گا اور مسلمان امام مہدی کی رہنمائی میں اس کے سامنے کھڑے ہونگے۔

اس کشمکش کا آخری نتیجہ وہ لڑائی ہوگی جس میں دجال قتل ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ ظاہر ہونگے۔ اس وقت مسلمان متحد ہونگے اور پرسکون ہو جائیں گے اور یہ ہوگا نیا ورلڈ آرڈر۔

مومن کی عقل روپے پیسے کے متعلق کافرا قتصادی نظام کے برعکس اُسے اس کی قیمت بتاتی ہے۔ اس لئے کہ اسے زندگی کے وجود کی حقیقت سے آشنائی ہے۔ مومن کو پتہ ہے کہ اللہ کا وجود ہے۔ گو اس معرفت کی روشنی مختلف لوگوں میں مختلف ہے۔ مومن کو پتہ ہے کہ کرنسی کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں۔ مومن کے لئے کرنسی محض میڈیم آف ایکسچینج ہے؛ یہ خود بکاؤ چیز نہیں اس لئے اس کیلئے پریشان اور بے چین ہونے کی ضرورت نہیں۔ مومن رزق کیلئے خوامخواہ بے چین نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ وہ اسے اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔

مسلمان دولت کا ذخیرہ کرنے کی تگ ودو میں نہیں لگا رہتا۔ کیونکہ مسلمان اللہ کے خزانے سے رزق حاصل کرتا ہے۔ وہ خزانہ جس کی کوئی حد نہیں۔ مسلمان کو سود پر قرضہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے مسلمان جو بھی اللہ کے نام پر دیتا ہے۔ اللہ اس کو اتنا بڑھا کر واپس کرتے ہیں کہ دنیا کا کوئی سود اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

لوگوں کو قرض میں مبتلا کر کے ان کا استحصال کر نے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ویسے بھی مسلمانوں کو ایک دوسرے کو کنٹرول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کے ایلیٹ اولیاء ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کا ڈر اور اللہ کی محبت رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی معرفت رکھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ وہ اللہ کے نام پر جتنا دیں گے اللہ اُن کا اتنا ہی خیال کریں گے اور اللہ اُن کی ضرورت پوری کریں گے۔ اولیاء اس دنیا سے بقدر ضرورت ہی خواہش رکھتے ہیں۔

مسلم اقتصادیات ایک دوسرے پر بھروسہ اور دینے کی بنیاد پر ہے۔ اس میں مال کا ارتکاز نہیں ہوتا بلکہ وہ مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ اس میں لوگوں کو کنٹرول کرنے کے لئے کنیزین (Keynesian) ٹیکنیک کی ضرورت نہیں۔ کافر کی اقتصادیات مال کے ارتکاز اور دوسروں کے استحصال پر ہے ۔ یہ ساکن (Static) اور یہ بو دینے والی اقتصادیات ہے۔

عمر ابراہیم فادیلو اپنی کتاب "اسلام بمقابلہ اقتصادیات" میں لکھتے ہیں کہ اسلامی قوانین اس معیار کی تعریف ہمیں بتاتے ہیں جس کے تحت کاروبار منصفانہ ہوسکتا ہے۔ یہ اقتصادیات وہ معیار بتاتا ہے جس کے تحت زیادہ ترقی ہوسکتی ہے۔ یہ دونوں زندگی کے دو مختلف راستوں کو متعین کرتے ہیں۔ موجودہ اقتصادیات نے اس شے کو جسے اسلام جرم قرار دیتا ہے، ضروری ثابت کر دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ موجودہ اقتصادیات کی بنیاد ہی سود پر ہے۔ اسی لئے یہ سود کی فطرت کو سمجھنے سے قاصر رہے گی۔

اپنی دوسری کتاب " کام کرنے والے کو اس کی حالت کے متعلق جھوٹ بولا جاتا ہے" میں لکھتے ہیں۔ سودی زندگی سے نجات صرف اسلام کی صورت میں ہوسکتا ہے کیونکہ

اسلام ہی وہ حکومت ہے جو بغیر اسٹیٹ کے ہے اور تجارت کا حکم دیتا ہے اور تجارت میں سود نہیں ہے۔ یہودیت اور عیسائیت کا زمانہ جا چکا۔ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب سمجھنے سے ہی لوگ ناپائیدار چیزوں مثلاً سٹیٹ (وطنیت)، کرنسی، اپنے پیشے کی عبادات ترک کر سکتے ہیں اور آزادی حاصل کر سکتے ہیں اور صرف محمدؐ کے طریقے کو قبول کرنے سے ہی ان کے معاملات میں انصاف آ سکے گا۔ **اسلام یا موجودہ اقتصادی نظام۔ اسلام یا موجود بینکنگ سسٹم۔ اس بات کا فیصلہ ہر شخص کو کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔۔!**

اس تجزیے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی بینکنگ کے نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ عمر ابراہیم وذیلو نے اپنی کتاب "موجودہ اقتصادیات کا خاتمہ" میں لکھا ہے کہ نام نہاد اسلامی بینک اصل میں ایک سودی ادارہ ہے۔ اسلامی بینک کی اصطلاح ہی ایک بھونڈی کوشش ہے کہ سود سے نجات حاصل کی جائے۔ اسلامی بینکنگ اپنے آغاز سے ہی ان سرپرستوں کے ماتحت چل رہی ہے، جو سود کی افزائش کرنے والے ہیں۔ ان کی اصل نیت یہ ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کو کسی طرح موجودہ اقتصادی نظام کے دھارے میں لایا جائے۔ وہ مسلمان جو سود کی وجہ سے بینکوں سے بھاگتے ہیں اور اس طرح بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی گرفت سے باہر ہو سکتے ہیں۔

عمر ابرہیم فادیلو نے "کاغذی نوٹوں پر فتویٰ" میں نتیجہ نکالا ہے۔ سلفیہ تحریک کے بانیوں نے اور دوسری ماڈرن تحریکوں کے بانیوں نے سب سے پہلے عوام کی سطح پر بینکنگ کو حلال قرار دیا تھا۔ نتیجہ کے طور پر اسلامی بینک وجود میں آئے۔ اسلامی بینک اصل میں سودی نظام ہی کا حصہ ہیں۔

مسلمانوں کی تجارت کی اصلیت کا پتہ ابتدائی کمیونٹی جو مدینہ منورۃ میں آباد تھی،

سے لگایا جاسکتا ہے۔ان کی کرنسی کی قیمت اس بات سے پتہ نہیں چلتی کہ اس سے کتنا سونا یا چاندی خریدا جاسکتا ہے کیونکہ کرنسی ہی سونا چاندی تھی بلکہ کتنے سونا چاندی سے ضرورت کا اناج/سوداخریدا جاسکتا ہے۔

اور چونکہ اناج وغیرہ آسانی سے دستیاب تھا (سوائے قحط رسانی کے چند واقعات کے)۔کرنسی کی قیمت کواونچا یا کم کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں تھا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ کرنسی کی قیمت خرید مستحکم تھی اور قیمتوں کے مصنوعی اتار چڑھاؤ کا کوئی وجود نہیں تھا۔کیونکہ قرآن کے لاگو شدہ ٹیکس اتنے کم ہیں کہ لوگوں کو ان ٹیکسوں کے اثرات کو کم کرنے کیلئے قیمتوں کو بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔جیسا کہ آج کے ماڈرن کافر ملکوں میں ہو رہا ہے۔مزید یہ کہ چونکہ مسلمان کیلئے ضروری اشیاء پر ۳۰ فیصد سے زیادہ منافع کمانا درست نہیں۔اس پہلی کمیونٹی کے لوگوں نے محض لالچ میں آکر قیمتوں کو آسمان تک نہیں پہنچایا تھا،اس لئے کہ انہیں اللہ اور یوم قیامت کا خوف تھا۔چونکہ کرنسی کی قوت خرید بھی مستحکم تھی اور قیمتیں بھی مستحکم تھیں۔ذرائع آمدنی بھی مستحکم تھے۔پھر یہ کہ اللہ کی طرف سے سود کی حرمت کے حکم کے بعد ایسے مالیاتی ادارے کا معرض وجود میں آنے کا کوئی امکان نہیں بچا تھا کہ جو لوگوں کو قرض میں مبتلا کر کے اُن کو سود کے شکنجے میں جکڑ لے۔

اللہ نے قرآن میں فرمان کا مفہوم ہے کہ مدینہ منورہ کی پہلی کمیونٹی یعنی صحابہ کی جماعت اس زمین پر رہنے والوں میں سب سے بہترین تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ ان کا طرز زندگی بھی سب سے بہتر تھا۔ان کے لائف سٹائل کو آج بھی اپنایا جاسکتا ہے۔کافر کا خیال ہے کہ وہ طرز زندگی قدیم ہو چکا ہے اور آج اکیسویں صدی میں اس کو اپنانا ممکن نہیں،یہ واضح طور پر غلط ہے۔مناظر بدل سکتے

ہیں۔لیکن انسانی کیفیات وہی ہیں اور یہ آخری دن تک وہی رہیں گی۔صحابہ کے طرز زندگی کو اپنانے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر معاملہ میں تنگ نظر ہو کر اُن کی نقل شروع کر دی جائے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آج کی ٹیکنالوجی کو ترک کر دیا جائے۔اس ٹیکنالوجی کو حلال اور حرام کا خیال کرتے ہوئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔صحابہ کا طرز زندگی قرآن اور سیرت کے مطابق تھا۔

حضرت محمدؐ بقول حضرت عائشہؓ ایک چلتا پھرتا قرآن تھے۔

احادیث اور قرآن کی روشنی میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ مکمل طور پر محفوظ اور ریکارڈ پر ہے اور عملی طور پر بھی اولیاء کی زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے۔اور یہ طرز زندگی ایک شخص سے دوسرے شخص تک عملی طور پر منتقل ہوتی رہی ہے۔اور اس انتقال میں کبھی کوئی رکاوٹ یا بریک نہیں ہوتی۔قرآن کی دی ہوئی ہدایت ہر حال اور معاملہ میں استعمال ہو سکتی ہے۔اگر کسی خاص معاملہ میں ہدایت واضح طور پر نظر نہ آ رہی ہو تو اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔اجتہاد کا مطلب بھی قرآن و حدیث اور سنت کی روشنی اور مزاج کے مطابق اپنے معاملات کو طے کرنا ہے۔شروع میں تو یہ فکری اور شعوری کام ہے لیکن جیسے جیسے قلب منوّر ہوتے چلے جاتے ہیں۔اجتہاد ایک غیر شعوری کام بن جاتا ہے۔یعنی کام کرتے وقت کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے، کے لئے کسی شعوری سوچ کی ضرورت نہیں رہتی۔اگر کسی معاملہ کے متعلق یقینی کیفیت حاصل نہ ہو رہی ہو تو قرآن میں اس کا جواب کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔مسلمان تجارت ہی متحرک نہیں بلکہ اس کا پورا طرز زندگی مکمل حرکت میں ہے۔

زندگی مسلسل متضاد عوامل کی باہمی آمیزش اور کشمکش کا نام ہے۔کچھ معاملات

واضح ترتیب رکھتے ہیں لیکن زندگی کی حرکت مسلسل ہے اور کبھی مکمل طور پر اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ آپ بھی اسی زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ آپ خود کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ محمد ﷺ کا طریقہ زندگی کے ان فطری عوامل کے مطابق ہے۔ آپ فطرت سے لڑ نہیں سکتے۔ بلکہ فطرت سے ہم آہنگ ہو کر زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس زندگی کو گزارنے سے آپ کو اللہ کو معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ ہی زندگی اور اس کے اندر عوامل کی کشمکش کے خالق ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے طرز زندگی میں خود آگاہی ہو جاتی ہے اور یہ خود آگاہی اللہ کی معرفت کی طرف لے کر جاتی ہے۔ جب یہ خود آگاہی نصیب ہوتی ہے تو انسان، انسانیت اور عجز کے ساتھ رہتا ہے۔ انسان اللہ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ انسان سے۔ اور جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل بن جاتا ہے۔

کافر دجالی نظام کے سارے سسٹم اور سب سسٹم انسانی خدمات سے عاری ہو کر انسانی معاملات کو طے کرتے ہیں۔ جہاں پہلے لوگ اپنی خدمات ایک دوسرے کو پیش کرتے تھے۔ اب ان خدمات کے عوض ایک دوسرے سے رقم لی جاتی ہے۔ جہاں پہلے عام عقل و نفسیات (Common Sense)، سخاوت، انسانوں کے جذبات کی رعایت اور سب سے بڑھ کر انسانیت انسانی معاملات میں استعمال ہوتی تھی۔ اب وہاں اس دجالی نظام کے قوانین اور ریگولیشن استعمال ہو رہی ہیں۔ چاہے ان کا نتیجہ کتنا ہی مضحکہ خیز کیوں نہ ہو۔ الفاظ کا استعمال بھی اس حالت کی غمازی کرتا ہے۔ انسانوں کو انسان سمجھ کر ان سے معاملات طے نہیں کئے جاتے۔ ہسپتال میں مریضوں کو گاہک تصور کیا جاتا ہے اور عوام کو عمومی صارف۔ یہ الفاظ، یہ کنڈیشننگ اور یہ پروگرامنگ سب ایک بڑے فریب کا حصہ ہیں، جن کو کافر حکومت کرنے والے طبقہ نے انسانوں کو کنٹرول کرنے کیلئے شروع کیا ہوا

ہے یہ فری میسن طبقہ ہے۔

یہ کافر نظام انسانوں کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتا ہے اور جب وہ اس نظام کیلئے کارآمد نہیں رہتے تو ان کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ جب لوگ خود ہی ربورٹ بن جائیں تو ان کو روبورٹ کی طرح نپٹانا آسان اور ممکن ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو اس دجالی نظام سے خوش ہیں اور مطمئن ہیں، وہ پہلے ہی سے نظام کے دام میں بری طرح آ چکے ہیں اور وہ اس نظام کے سوشل اور کلچرل غلبہ کا زندہ ثبوت ہیں۔ یہ جو لوگ دجال کے آنے پر اس کے ساتھ ہو جائیں گے اور اسے اپنا قائد تسلیم کر لیں گے۔ وہ لوگ جو اس نظام کی حقیقت کو سمجھ گئے ہیں اور ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے وہ بھی انشا اللہ مسلمان ہو جائیں گے اور حضرت مہدی کا ساتھ دیں گے۔

آپ ان میں سے ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی تیسرا گروہ نہیں ہے۔ آپ اپنے آپ کو متضاد عوامل کی کشمکش سے آزاد نہیں کر سکتے، کہ زندگی کی یہ حقیقت ہے، اس سے کوئی فرار نہیں۔ مسائل سے منہ پھیرنے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔ ریت میں منہ چھپانے سے آپ اپنی حیثیت نہیں بدل پاؤ گے۔ بلکہ آپ کو حقیقت کا سامنا کرنے میں اور مشکل ہو گی۔ آپ کسی اور دنیا میں بھی نہیں جا سکتے۔ آپ اپنا نام، پتہ یا پیشہ تبدیل کر سکتے ہو لیکن اپنا اصل تبدیل نہیں کر سکتے۔

ایک اور گروہ بھی ہے جو اصل میں کافروں کی مدد کرتا ہے۔ یہ منافقین کا گروہ ہے جو خود کو مسلمان کہلوائے گا لیکن اصل میں یہ کافر ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اللہ پر بھروسہ نہیں کرتے اور محمدؐ کے راستے پر نہیں چلتے اگرچہ یہ اس راستے سے واقف بھی ہیں۔ منافقوں کی پہچان ان کا مسلسل مسلمانوں پر تنقید کرنا ہے اور اُن کے بارے میں بری رائے

کا رکھنا ہے۔

حضرت محمدؐ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ

"منافق کی چار علامات ہیں ،اگر چہ وہ عبادت بھی کرتا ہو۔جب وہ بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔۔۔ جب عہد کرتا ہے،تو توڑتا ہے۔۔۔جب بحث کرتا ہے تو گالیاں دینے لگتا ہے۔۔۔اور جب اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے،تو وہ دغا دیتا ہے"۔

منافق بھی اس دجالی نظام کا حصہ ہے اور جب امام مہدی کی فوج دجال سے لڑے گی تو منافق کافروں کا ساتھ دیں گے۔اگلے جہاں میں منافق جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہونگے کیونکہ انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا اور وہ محمدؐ کے راستے پر نہیں چلے۔

وہ لوگ جو محمدؐ سے پہلے دنیا میں آئے اور جنہوں نے اصلی وید، بدھ مت، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا پیغام حاصل کیا،ان کی نوعیت مختلف ہوگی۔ان کے موجودہ دور کے پیروکاروں میں مخلص لوگ اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔لیکن چونکہ ان کے انبیاؑ کی تعلیمات اپنی صحیح حالتوں میں نہیں ہے،اب ان کیلئے ان پر عمل کرنا اور ان کی پیروی کرنا ممکن نہیں رہا۔ان لوگوں کیلئے اللہ کی معرفت کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔کیونکہ یہ معرفت محض وحی کے ذریعے انسانوں کو نصیب ہوتی ہے۔

اللہ نے قرآن میں بتایا ہے کہ ہر شے اللہ کی عبادت کرتی ہے اگر چہ لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ہر ذرہ اللہ کی طاقت کے ذریعے سے قائم ہے اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہے۔ساری مخلوقات جو ظاہر ہیں،اور چھپی ہوئی ہیں،اللہ کی عبادت کرتی ہیں لیکن اللہ کی معرفت کی صلاحیت صرف انسان کو نصیب ہے۔جب اس معرفت کے ساتھ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے تو وہ عبادت کہیں زیادہ افضل ہو جاتی ہے۔ایک کافر کے جسم کا ہر ذرہ

بھی اللہ کی عبادت میں ہر لمحہ لگا رہتا ہے۔لیکن کافر اپنے قول وفعل سے اللہ کے وجود کا انکار کرتا ہے۔ایک مومن کے جسم کا ہر ذرہ بھی اللہ کی عبادت میں مصروف ہے لیکن اس کا قول و فعل اس عبادت اور بندگی کی شہادت دیتا ہے۔

پرانی شریعتوں پر عمل کی کوشش کرنے والے لوگ ان دو متضاد لوگوں کے درمیان میں ہیں۔یقیناً ان کے جسم کا ہر ذرہ بھی اللہ کی بڑائی کی گواہی دیتا ہے اور عبادت میں مصروف ہے لیکن ان کے قول میں کچھ حصہ ہی اس بندگی کا اقرار کرتا ہے۔

اللہ کی معرفت کے بعد ہی صحیح معنوں میں اس کی عبادت ہوسکتی ہے۔معرفت ذہنی سمجھ سے بھی اوپر کی چیز ہے۔اب سب سے اعلیٰ عبادت وہ ہے جو اللہ کی معرفت نصیب ہونے کے بعد کی جاتی ہے۔اس کے بعد ذہنی سمجھ والی عبادت ہے۔جب وحی کی روشنی کے بغیر یہ عبادت کی جاتی ہے تو اس میں بہت کمی اور کجی پیدا ہو جاتی ہے۔

اللہ کی معرفت رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔حضرت محمدؐ کی اتباع کرنے والے لوگوں کو کسی چیز کا خوف اور ڈر نہیں ہوتا۔اسلام علاوہ کوئی اور طریقہ زندگی اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی قابل قبول دین ہے۔اسلام کا ایک مطلب چیزوں کو ان کی اصل حقیقت کے ساتھ قبول کرنا ہے جس میں اللہ کی بندگی بھی شامل ہے۔صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جو اپنی تمام جزیات کے ساتھ انسانوں میں زندہ ہے اور قیامت تک یہ زندہ رہے گا۔اب اختیار آپ کا ہے کہ اسے آپ اپناتے ہیں یا نہیں۔۔۔۔!

کافر دجالی نظام کا واحد متبادل دین اسلام کا طریقہ ہے۔دوسرے متبادل راستے

کبھی بھی مستقل قائم نہیں ہو سکتے۔ دوسری تحریکیں جو دجالی نظام کے متبادل کے طور پر آئیں گی۔ وہ یا تو جلد ختم ہو جائیں گی اور یا پھر تبدیل ہو کر اسی دجالی نظام کا حصہ بن جائیں گی۔ اور اگر ان کا دجالی نظام کے ساتھ جھگڑا بھی ہوگا تو وہ ایک نورا کشتی ہوگا۔

اسلام اس لئے اس دجالی نظام کا متبادل ہے کہ یہ صحیح معنوں میں اس کا تضاد ہے اور متضاد عوامل کی کشمکش کا نام ہی زندگی ہے۔ یہ تخلیق کی حقیقت ہے۔ یہ کشمکش ہر شے میں نظر آتی ہے لیکن دل کی آنکھ سے دیکھنے پر۔ چونکہ اس وقت دجالی نظام دنیا پر غالب ہے۔ یہ بات ناگزیر ہے کہ اب کل اسلام غالب ہوگا۔ اس لئے کہ متضاد عوامل کا ایک دوسرے سے جڑا ہونا اللہ کی سنت ہے اور اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں۔

اسلام کی حقیقت کو جاننے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انسان مسلمان ہو جائے۔ کوئی آپ کو اسلام میں نہ تو داخل کر سکتا ہے اور نہ اس سے دور لے جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اللہ ہی ہے جو کج روی سے سیدھے راستے کی طرف انسان کو لے کر آتا ہے۔ اس لئے صحیح راستے پر چلنے والا اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو اسلام کیلئے دل کو کھول دیتا ہے۔ آپ لوگوں کو زبردستی مسلمان نہیں بنا سکتے چاہے وہ آپ کے بہت ہی قریبی کیوں نہ ہوں۔ کفر اور ایمان کے درمیان فرق کو دیکھنا اللہ ہی کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔ حلال اور حرام کے امتیاز کا جاننا بھی اسی کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔ کیا قول و فعل جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور کیا جنت کی طرف، اس کا ادراک بھی اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی معرفت نصیب کر دیتا ہے۔ یہ معرفت صرف اعمال کی بدولت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے فضل سے ہی یہ معرفت ملتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے اللہ ہی کی جانب سے ہے۔لوگ بھی اوران کے اعمال و حالات بھی۔پوری کائنات اس کی طرف سے آئی ہے اور اُس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کائنات اللہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے نہیں ہے لیکن اللہ کائنات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور مخلوقات میں سے کوئی بھی اللہ کا شریک نہیں۔اللہ کے مثل کچھ بھی نہیں۔اگر آپ کے ذہن میں اللہ کا کوئی خاکہ ہے تو اللہ اس خاکہ کی طرح نہیں ہے۔آپ خود اللہ کی طرف سے ایک خیال ہیں۔ساری مخلوق اللہ کا خیال ہے۔اس بات کو سمجھنے کیلئے آپ کو اللہ کے آگے سجدہ کرنا ہوگا۔ جب تک آپ حضرت محمد ﷺ کی طرح سجدہ ،رکوع ،قیام اور جلسہ نہیں کرتے ،آپ اسلام کا صحیح راستہ دریافت نہیں کر سکتے اور نہ آپ کو اللہ کی معرفت نصیب ہو سکتی ہے۔

یہودی اور عیسائی کو آج وہ معرفت اللہ نہیں مل سکتی، اس لئے کہ وہ اس طرح عبادت کا طریقہ نہیں جانتے ،جس عبادت کا طریقہ محمدؐ نے سکھایا ہے۔حضرت موسٰیؑ اور حضرت عیسٰیؑ کا طریقہ عبادت اور الفاظ تک غائب ہو چکے ہیں۔مسلمانوں کا طریقہ عبادت اور الفاظ وہی ہیں جو حضرت محمدؐ کے تھے۔

جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت جبرائیلؑ نے حضرت محمدؐ کے سامنے تلاوت کیے اور حضرت محمدؐ نے اپنے صحابہ کے سامنے تلاوت کیے۔

اللہ کی معرفت کیلئے ضروری ہے کہ انسان، اقدار اور اخلاق کے معیارات سے بالاتر ہو جائے۔عقل کو بھی ایک طرف رکھا جائے تا کہ قلب کو اختیارات مل سکیں۔جب آپ عقل/سوچ کا دروازہ بند کر دیں تو وجود ختم نہیں ہوتا، بلکہ آپ ایک اور روشنی میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔ذہن کو آرام دیں اور تیرنا سیکھیں۔دل کو اللہ کی یاد سے

صاف کریں تا کہ آپ کو، دل کے اندر جو کچھ ہے اس کا پتہ چل سکے۔

حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ

پوری کائنات مجھے نہیں سموسکتی۔لیکن میں مومن کے دل میں سما سکتا ہوں۔

حقیقت میں صرف اللہ ہی ہے۔ ہر طرف آپ کو اللہ ہی نظر آئے گا۔ ہر شے گزر رہی ہے سوائے اللہ کے۔اللہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی دے۔اللہ ہی زندگی بخشتا ہے اور اللہ ہی موت دیتا ہے۔رزق کی تنگی اور کشادگی بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ

میں لوگوں کو جنت دیتا ہوں اور بے نیاز ہوں، اور کچھ کو جہنم میں ڈالتا ہوں اور بے نیاز ہوں۔

اللہ کی طرف سے آپ کو ہر کام کی قدرت ملتی ہے لیکن آپ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔آپ سے قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ لوگ کیا کر رہے تھے۔یہ پوچھا جائے گا کہ آپ کیا کر رہے تھے؟ لیکن آپ اللہ سے سوال نہیں کر سکیں گے۔۔۔۔۔لیکن اللہ آپ سے پوچھیں گے اور آپ کے اعمال اور نیتوں کی بنیاد پر اللہ کے خوف اور اس سے امید کی بنیاد پر آپ کیلئے جنت یا جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اللہ ہر شے پر قادر ہے۔اللہ کی توفیق کے بغیر انسان نہ اچھا عمل کر سکتے ہیں نہ بُرا۔ہم اس معاملہ میں بے بس ہیں لیکن کس راہ کو اختیار کرنا ہے، اس وقت یہ آپ کا اختیار ہے۔

اسلام کے راستے پر چلنے کا واحد طریقہ ان لوگوں کی صحبت اختیار کرنا جو صحابہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ایسے لوگ اولیاء کے گرد موجود ہوتے ہیں۔ولی وہ ہے جو اللہ

سے محبت بھی کرتا ہے اور اس سے ڈرتا بھی ہے۔ ولی قرآن وسنت کے مطابق زندگی کو لے کر آتا ہے۔ اللہ کا ولی محمدؐ کے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے۔

یقین کی تین درجے ہیں۔ پہلی درجے کی مثال ایسی آگ کی ہے جو جنگل میں لگی ہے اور آپ کو اس کے متعلق بتایا گیا ہے۔ آپ بتانے والے پر یقین کر لیتے ہیں۔ حالانکہ آپ نے آگ کو خود نہیں دیکھا۔ دوسرا درجہ، پھر آپ آگ کو خود جنگل میں دیکھتے ہیں۔ لکڑیوں کے جلنے کی آواز اور بو آپ محسوس کرتے ہیں۔ اب آگ کے وجود میں کوئی شبہ نہیں ہے اور تیسرا درجہ ہے کہ آپ خود وہ جنگل کی آگ ہیں۔ آپ خود اس آگ میں فنا ہیں۔

اولیاء میں بڑے مرتبے کے لوگ اس آخری درجے پر ہوتے ہیں۔ اس درجے میں اللہ ان سے محبت کرتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کی زبان بولتے ہیں۔ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ ان کے پاؤں اللہ کے پاؤں بن جاتے ہیں۔ اللہ کی مرضی ان کی مرضی بن جاتی ہے۔ ان کی رہنمائی اللہ کی طرف سے رہنمائی بن جاتی ہے۔ ان ہی اولیاء میں سے ایک امام مہدی ہونگے اور حقیقی مسلمان ان کو پہچان لیں گے۔

اسلام کے طریقہ زندگی جو اولیاء سے سیکھا جاتا ہے اور کتابوں سے اخذ شدہ مردہ دین کے درمیان فرق کیا جانا چاہیے۔ اولیاء کتابیں استعمال کرتے ہیں لیکن ان پر انحصار نہیں کرتے۔ ان کا علم تقویٰ اور اللہ کے فضل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر آپ کا علم اللہ کے خوف کی وجہ سے نہیں آیا تو آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ ایسے ہی ایک ولی ابو یزید البسطامی نے ایک ایسے آدمی سے کہا تھا۔ جس کا سارہ علم کتابی تھا۔

"تمہارا علم مردہ چیز سے حاصل کی گیا ہے لیکن ہم نے زندہ سے علم حاصل کیا ہے۔"

اس طرح ایک اور ولی کا قول ہے کہ

"اگر حضرت محمدؐ ایک لمحہ کیلئے بھی میری آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔"

زیادہ سے زیادہ کتابی علم آپ کو یقین کے پہلے درجے تک لاسکتا ہے۔ایسے لوگ جنت میں جائیں گے لیکن وہ سب سے بہترین رہنمائی کرنے والے نہیں ہیں۔ان کی پیروی میں خطرہ یہ ہے کہ آپ اللہ کی بجائے اسلام کی عبادت کرنے لگیں گے۔یعنی راستے کو منزل سمجھنے کی غلطی کر بیٹھیں گے لیکن سب سے بڑا ممکنہ خطرہ یہ ہے کہ کتابی علم سے آپ اسلام کے صحیح راستے سے بھٹک سکتے ہیں۔ایسے لوگ جن کے پاس کتابی علم تو ہو لیکن تربیت نہ ہوئی ہو، وہ ضروری نہیں کہ اپنے علم پر عمل بھی کریں۔علم ان لوگوں سے حاصل کرو جو اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتے ہوں۔

ضروری ہے کہ سنت کے مطابق مسلمان کمیونٹی کا امیر ہو اور مسائل کھڑے ہوں تو فیصلہ کیلئے امیر کے پاس جایا جائے۔جو قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلے کرے، نہ کہ کافر قانونی نظام سے مدد لی جائے۔

رمضان کے آغاز اور خاتمہ کا اعلان امیر کے حکم سے کیا جائے۔جو دو شاہدوں کی شہادت قمر کے بعد اس کا اعلان کرے نہ کہ کسی ایسی کمیٹی کے ذریعے جو پہلے سے خفیہ طور پر فیصلہ کر چکی ہو کہ کب رمضان کا آغاز وانجام ہوگا۔زکوۃ کا اکٹھا کرنا اور تقسیم کرنا امیر کی نگرانی میں ہو نہ کہ بس لوگوں کی اپنی سمجھ کے مطابق انفرادی طور پر اس کی تقسیم ہونے لگے۔

کمیونٹی کا امیر ہی کمیونٹی کا امام ہو۔مسجد میں مرد وخواتین کیلئے علیحدہ علیحدہ جگہ ہونی چاہیے۔نہ کہ عیسایوں کی طرح اکھٹے یا یہودیوں کی طرح صرف مردوں کیلئے مخصوص ہو۔

اصل مقصد یہ ہے کہ کمیونٹی اپنے اعمال میں اسلام لے کر آئے نہ کہ صرف

زبانوں پر۔وہ لوگ جن کے اعمال میں اسلام ہوتا ہے، ان کی زبانوں پر اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔علم صرف ان لوگوں سے لوجن کے قول وفعل ایک جیسے ہوں۔ جہالت کی نشانی یہ ہے کہ کسی شخص کے الفاظ کو ہی اس کا عمل سمجھ لیا جائے۔

حضرت محمدؐ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ

کچھ لوگ زبانوں پر تو قرآن لائیں گے لیکن ان کے دل اور ان کے عمل اس سے خالی ہونگے ۔ یہ دنیا کے سب سے برے لوگ ہونگے ۔ یہ منافقین ہیں کہ اُنکا ٹھکانہ جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہوگا۔ان کے دلوں میں خوف خدا کے بجائے منافقت ہوگی۔ان کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ خود کو اسلام کے ٹھیکے دار سمجھنے لگتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات انبیاؑ کی تعلیمات میں سے واحد ہیں جو محفوظ ہیں۔اللہ کی معرفت دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں نہیں ملتی۔ ان مذاہب کے پیغمبروں کی تعلیمات یا تو گم ہوگئی ہیں یا پھر ان میں اتنی تبدیلی آ گئی ہے کہ وہ اپنی اصل روح کھو بیٹھی ہیں۔

اصل یہودی تو ویسے ہی کم ہیں لیکن جو بھی نام نہاد یہودی ہیں (خازار قبیلہ سے یا مشرقی سیفا ڈک قبیلہ سے) وہ ان تعلیمات کی پیروی نہیں کرتے جو حضرت موسٰیؑ لے کر آئے تھے۔

وہ کتب جن پر یہودی اور عیسائی ایمان لاتے ہیں اور پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں؛ اب ان میں تحریف ہو چکی ہے اور ان دونوں مذاہب میں تبدیلی اصل میں بھی نہیں آئی۔ کیونکہ اصل تورات حضرت موسٰیؑ کی وفات کے (۶۰۰) چھ سو سال بعد یروشلم کی فتح کے موقع پر مکمل جلادی گئی تھی۔(۵۸۶ قبل مسیح)

یہودیوں نے اسے دوبارہ لکھنے کی کوشش کی لیکن یہ ممکن نہ ہوسکا۔ باقی ماندہ اِدھر اُدھر سے ڈھونڈ کر انہوں نے اس کا ایک ایڈیشن بنا ہی لیا۔ یہ طباعت عذرا کی نگرانی میں ہوئی جسے پانچ صدی قبل مسیح بابل میں جلا وطن یہودیوں نے تیار کیا اور جو ۴۵۸ قبل مسیح یروشلم میں لائی گئی لیکن یہ بھی دوبارہ یروشلم کے سقوط پر تباہ کردی گئی۔

یہ بات قابل غور ہے کہ بابل میں جلا وطنی کے دوران ڈیوٹرانومی کی کتاب ہی یروشلم کے ٹمپل میں پڑھی جاتی تھی۔ یہ کتاب ۶۲۱ قبل مسیح لکھی گئی اور یہ واحد تحریری کتاب بھی تھی۔ اس سے قبل تقریباً چھ سو سال سے یہودیوں اور ان کی تاریخ کا علم سینہ بسینہ زبانی روایات پر مشتمل تھا۔ ڈگلس ریڈ نے اپنی کتاب "صہونیت کے مسئلہ" میں لکھا ہے کہ

"ڈیوٹرانومی جو آجکل بائبل کی پانچویں کتاب ہے۔ اصل میں پہلی لکھی ہوئی کتاب تھی۔ دوسری کتابیں جو اس کیلئے مقدمہ کا کام دیتی ہیں اصل میں بعد میں لکھی گئیں۔ ان میں جینیسس، ایکوڈس وغیرہ شامل ہیں"۔

اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ اصلی تورات جو صدیوں کی روایات پر مشتمل ہے وہ بغیر کسی تبدیلی یا انحراف کے انسانوں کے سینہ بسینہ سفر میں چلتی رہی، صحیح بھی ہے تو اس کتاب میں ان واقعات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰؑ سے قبل یا ان کی زندگی کے دوران اور بعد میں ہوئے۔ لیکن جو کچھ حضرت موسیٰؑ پر اللہ کی طرف سے کوہ طور پر نازل ہوا، اس کا اس میں بیان نہیں ہے۔ اس کتاب کی حقیقت ایک طرح کا ایک تاریخی بیان ہے۔ ان واقعات کے متعلق جو اس اسرائیل کے قبیلے کے ساتھ پیش آئے۔

۴۵۰ اور ۵۰ قبل مسیح چار سو سالوں میں خاص طور پر عذرا کی نگرانی میں مطبوع شدہ تورات کے جلائے جانے کے بعد جو ۱۶ قبل مسیح یروشلم کے سقوط کے موقع پر ہوا۔ اس

کتاب کا نام پہلی دفعہ تورات رکھا گیا اور مختلف کتابوں کو اکٹھا کر کے واقعات کی تاریخی حیثیت بتانے والی کتابوں کو تورات کا نام دیا گیا۔ یہ کتابیں کئی دفعہ تبدیلی کا شکار ہوتی رہیں۔ یہودیوں کے ربی اپنی خواہشات کے مطابق ان قوانین میں جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ پر نازل کیے گئے تھے، تبدیلیاں کرتے رہے۔

ڈاکٹر موریس بکائی اپنی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" میں لکھتے ہیں کہ

"جب الیگزینڈریا میں ۷۲ یہودی اپنی کتاب کا یونانی ترجمہ کر رہے تھے۔ ۲۷۵ اور ۱۵۰ قبل مسیح کے درمیان یہودی کتب حضرت موسیٰؑ کی بتائی ہوئی معلومات کی ترجمانی نہیں کرتی تھیں۔"

تین سو سال قبل مسیح یہودیوں کی کتابوں کی تین قسمیں تھیں۔ وہ کتاب جس نے میسوٹرک بن جانا تھا۔ وہ کتاب جس کا کچھ حصہ بعد میں یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اس سماراٹرن نامی کتاب کو ایک صدی قبل مسیح ایک کتاب بنانے کی کوشش کی جاتی رہی اور مسیح کے بعد جا کر یہ کوشش کامیاب ہوئی۔

اگر تینوں کتابیں موجود ہوتیں تو ان کا آپس میں اور موجودہ کتاب کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکتا تھا لیکن اب ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔

عہد نامہ قدیم زبانی روایات سے اخذ کر کے تقریباً سو سالوں کے اندر تیار کیا گیا ہے۔ بہت سی جگہوں پر واقعات اور نصاب کو درست کیا گیا ہے اور ان درستگی کے اوقات میں بہت فاصلہ رہا ہے۔

ڈاکٹر بکائی لکھتے ہیں کہ:

"وحی ان مختلف کتابوں میں گم ہو چکی ہے اور اب جو ہمارے پاس ہے وہ کچھ ہے

جو ہم جیسے انسانوں نے ہمارے لئے مناسب سمجھا۔ یہ انسان اس وحی کے ساتھ انحراف کرتے رہے، اپنی خواہشات اور ضرورتوں کے مطابق ان میں تبدیلیاں کرتے رہے۔"

ڈگلس ریڈ صہونیت کے مسئلہ پر لکھتے ہیں کہ :

"یونانی ترجمہ یونانیوں کو سمجھانے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس میں الفاظ بھی تبدیل کیے گئے اور ان کے معنی بھی۔ اس کے علاوہ مقامی کلچر کو سامنے رکھا گیا۔ اس لئے کہ اسکندریا میں زیادہ تر یہودی رہتے تھے اور ان کی زبان یونانی ہو چکی تھی اور وہ یہودی زبان نہیں سمجھتے تھے۔"

عیسائیوں کے ضمن میں انجیل یعنی گوسپل کو کبھی بھی تحریر نہیں کیا گیا۔ یقیناً کوئی ایسی کتاب آج نہیں جس کا نام عیسیٰؑ کی انجیل ہو اور وہ آرمینائی زبان میں لکھی گئی ہو۔ اگر کوئی ایسی کتاب موجود ہے تو عیسائی اس کے متعلق بہت خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جدید عہد نامے میں چار انجیلیں شامل ہیں لیکن یہ ان لوگوں کی کہانیاں ہیں جو کبھی حضرت عیسیٰؑ سے نہیں ملے۔ جن کے بیانات آپس میں بھی تضاد رکھتے ہیں۔ یہ اصل میں پال کی بتائی ہوئی تعلیمات سے ماخوذ ہیں اور پال کبھی حضرت عیسیٰؑ سے نہیں ملا۔ یہ کتاب لکھی گئی اور بعد میں اس میں تبدیلیاں کی گئیں اور تبدیلیاں بھی خواہشات نفس اور حکمرانوں کی آسانیوں کے لئے کی گئیں۔

سب سے بڑی تحریف زبردستی ان کتابوں میں ٹرنٹی یا تثلیث کا خیال ٹھونسا گیا۔ دوسرا بڑا فراڈ ان کارنیشن (Incarnation) کا ڈالا گیا۔ سر نیوٹن نے ان دونوں خیالات کو جعلی قرار دیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے جانے کے بعد پہلے تین سو سالوں کی بحثوں میں ان دو خیالات کا ذکر نہیں ملتا۔

گاسپل آف بارنابس کے اطالوی ایڈیشن کے انگلش ترجمہ کے مطابق

"انجیل کبھی بھی تحریری حالت میں نہیں لائی گئی اور حضرت عیسٰیؑ پر وحی کی حالت میں اتاری گئی تھی۔اس وحی کے ذریعے سے حضرت عیسٰیؑ نے حضرت موسٰیؑ کی لائی ہوئی شریعت کے مردہ جسم میں روح پھونک دی تھی۔"

یہودیوں کو جو حضرت موسٰیؑ کی لائی ہوئی شریعت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے، یہ بات بہت ناگوار گزری تھی۔ یہودیوں نے حضرت عیسٰیؑ کی مخالفت کی اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

قرآن میں ہے کہ

"اور انہوں نے اُسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی مصلوب کیا۔گو بظاہر ایسا ہی لگتا تھا۔وہ لوگ اس بات کو نہیں مانتے۔وہ تو اس بات پر شک کریں گے لیکن ان کے پاس علم نہیں اور وہ محض قیاس آرائیاں کر رہیں ہیں۔انہوں نے اسے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں اٹھا لیا تھا اور اللہ بہت طاقتور اور حکمت والا ہے۔" (سورۃ النساء ۱۵۷-۱۵۸)

اب صرف قرآن ہی وہ واحد آسمانی رہنما کتاب ہے جو بغیر کسی تحریف کے روئے زمین پر موجود ہے۔۔۔۔۔!

﴿"حاصلِ مطالعہ"﴾

دجال کی اس نئی تشریح اور موجودہ زمانے کے حالات و واقعات کی روشنی ہمیں اس بات پر سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم دیکھیں کہ کہیں ہم دجالی قوتوں کا ساتھ تو نہیں دے رہے۔اور پھر ہم یہ دیکھیں کہ اگر کہیں ہم اس نظام کے اندر ہیں تو اس سے نکلنے کی کس حد

تک کوشش کررہے ہیں۔کم ازکم اس بات کو سمجھنا کہ جو ہمارے اردگرد ہورہا ہے، اپنا آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے بڑا ضروری ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ تمام اقسام کے دباؤ جو ہم پر ہوتے ہیں، انکی وجہ سے اور متبادل واضح نہ ہونے کی وجہ سے ہم موجودہ نظام ہی میں کام کرتے رہیں۔لیکن اگر ہم اس کو سمجھیں گے نہیں تو ہم اگلا قدم نہیں بڑھا سکتے۔اس کتاب میں ان ساری تفصیلات کو جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔موجودہ حالات اور انکی وجہ سے آنے والی خرابیوں کی ایک بہت واضح اور بڑی تصویر کشی کی گئی ہے۔جب ان مسائل کو ہم انفرادی اور جزوی طور پر دیکھتے ہیں تو ہم ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اگر بڑا منظرنامہ انسان کے سامنے نہ ہوتو چھوٹی تصویر کے اندر حل کی تلاش مزید خرابیوں کا باعث بنتی ہے اور ایسا ہی ہورہا ہے۔آج اقتصادیات کے معاملے کو بڑا ہی زور وشور کے ساتھ اٹھایا جارہا ہے۔خوراک کی کمی، قیمتوں کا بڑھنا اور اقتصادی معاملات کا مشکل ہونا، اس کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے۔لیکن جب ان مسائل کو حل کرنے کی بات ہوتی ہے تو ہر شخص انفرادی طور پر دیکھ رہا ہوتا ہے یا ایک چھوٹی تصویر کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

اس کتاب ''دجال'' کے ترجمہ وتلخیص سے ہمیں مدد ملتی ہے کہ ہمارے سامنے ایک بڑا منظرنامہ ہو۔ہمیں پتہ چلے کہ دوست کیا ہے اور دشمن کیا ہے۔موجودہ نظام کے کیا مسائل ہیں اور انکا متبادل اسلام کے طور پر ہمیں کیسے اپنانا ہے۔ہمیں ملک وقومیت کی طرح کے بتوں کی پوجا کرنے کی بجائے کمیونٹیز (communities) بنانا ہونگی؛ تاکہ اس متبادل نظام کو ہم اپنے اندر رضا کارانہ طور پر اپنالیں۔اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ ہمیں اس اقتصادی نظام کو نظرانداز (bypass) کرنا ہوگا۔محنت بہت کرنی ہوگی۔کیونکہ **اس وقت شاید ہمیں یہ دونوں کام اکٹھے کرنا پڑیں: موجودہ اقتصادی بھی اور اس کا متبادل**

بھی۔اس لئے کہ موجودہ اقتصادی کو چھوڑ کر، جس میں رزق اور بدامنی کا جو خوف ہمیں لگا ہوا ہے، اس کی وجہ سے شاید ہم اپنی کوششوں کو بدجہ اتم (Maximise) نہ کر سکیں۔

اعتراف:

اس کتاب کے حوالے سے ایک اور بات عرض کر دی جائے کہ جہاں کہیں بھی قرآن وحدیث کے حوالے سے ذکر آیا ہے، اس کتاب کا ترجمہ وتلخیص کرتے ہوئے، اس کی کوئی تحقیق نہیں کی گئی۔اس لیے اگر کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو آپ اس کو درست کر لیجیے۔زیادہ تر مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن یہ کتاب احادیث کی کتاب نہیں ہے۔اور عام طور پر حوالہ جات کسی خاص مسئلے کو بیان نہیں کر رہے، اس لیے اس کی تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی اور چونکہ یہ کتاب مصنف نے لکھی ہے اور میں نے صرف اسکا ترجمہ وتلخیص کی ہے، اس لیے اس میں کمی کوتاہی ہونے کے امکانات ہیں۔اس کا آسان سا طریقہ ہے کہ اگر کسی آیت یا حدیث کے الفاظ آپ جاننا چاہیں تو کسی اہلِ علم شخص: شیخ الحدیث سے رابطہ قائم کریں اور اس سے صحیح الفاظ اور صحیح ترجمہ جاننے کی کوشش کریں، **جزاک اللہ!**

قرآن اور احادیث کے حوالے سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے تو ہم اللہ سے معافی کے طلب گار ہیں۔

ڈاکٹر نصر شاھد

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی (علامہ اقبالؒ)

Positive Thinkers Club (PTC) ان لوگوں کے لئے ایک فورم ہے جو مثبت سوچ سکتے ہیں اور پھر اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔ ہم کوئی سیاسی یا غیر سیاسی تنظیم نہیں ہیں۔ تاہم تمام شعبہ ہائے زندگی اور طبقہء فکر سے لوگ اپنی مثبت سوچ لئے ہمارے ساتھ اس فورم پر شامل ہو سکتے ہیں۔ ہمارا اس بات پر یقین ہے کہ پاکستان میں (بشمول بیرونِ ملک قیام پذیر) اتنے ذہین، ایماندار، مخلص اور اچھے لوگ موجود ہیں کہ بغیر کسی سیاسی، سماجی، مسلکی اور لسانی پہچان اور لیبل کے، ان خواتین و حضرات کو ایک فورم پر مجتمع کر کے بنیادی سطح پر ایک مثبت اور ٹھوس تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ ہم صرف تھنک ٹینک ہی پیدا نہیں کر رہے بلکہ ان سوچنے والوں کا انکی مثبت اور متبادل سوچ پر عمل سے تعارف ہوگا۔

اگر آپ ان میں سے ایک ہیں، تو ہم **آپ کو خوش آمدید** کہتے ہیں۔

حافظ احمد

کوآرڈینیٹر

پی۔ٹی۔سی پاکستان

فون: 0333 PTCP 786

ahmadajiz@gmail.com

پی۔ٹی۔سی

پی۔ٹی۔سی چار اجزاء پر مشتمل ہے:

۱۔ پی۔ٹی۔سی کے تصورات
۲۔ پی۔ٹی۔سی کی ترتیب
۳۔ پی۔ٹی۔سی کے مراحل
۴۔ پی۔ٹی۔سی کا جذبہ

پی۔ٹی۔سی کے تصورات ﴿ ۵مرکزی معاملات(5-Core Issues)

پی۔ٹی۔سی کے تصور کے مطابق ۵ مرکزی معاملات ایسے ہیں کہ ملک میں ایک مثبت اور ٹھوس تبدیلی لانے کے لیے ہمیں ان پر بات کرنا ہوگی۔ ہمارے تمام اہم مسائل/چیلنج انہی معاملات سے شروع ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان معاملات کو نظر انداز کر کے کوئی منصوبہ شروع کرتے ہیں یا خیرات کرتے ہیں تو ہم صرف جزوی اور عارضی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں؛ مزید یہ کہ اس کامیابی کے سفر کو مستقلاً برقرار بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ ان معاملات پر افتی نشستوں میں اراکین کے درمیان گفتگو ہونی چاہیے۔ ہر اَپ لنک کو اس بات کا اطمنان کر لینا چاہیے کہ ڈاؤن لنک نے ان معاملات کو وضاحت کے ساتھ سمجھ لیا ہے۔۔۔!

۱۔موجودہ اقتصادی نظام کو ترقی کے معیار سمجھنا:

موجودہ اقتصادی نظام بہت خوبصورت ہے کیونکہ اس میں بہت آرام و سہولت اور بڑی وسعت ہے۔اس کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی کا جال، ذرائع ابلاغ اور تعلیمی نظام کا تعاون ہے۔ اس تمام تر کشش کے باوجود اس کی بنیاد مکروہ ہونے کے ساتھ ساتھ استحصال کی طرف لیکر جاتی ہے۔اس نظام کی بنیاد میں پائے جانے والے اجزاء درج ذیل ہیں:

ا۔پُرفریب مالی نظام جس میں سکّے رروپے کی کوئی حقیقت نہیں اور رقم کو بغیر مشقت کسی اصول و احتساب کے بغیر پیدا کیا جاتا ہے۔

ب۔سود

ج۔صارف اور صانع کے مربوط دائرے(Consumer Producer Cycle) کے باوجود انسانی صحت اور ماحول کو خطرات و مشکلات

د۔لالچ

۲۔امراء و اشرافیہ کا موجودہ طرز زندگی اپنانا اور سفید پوش و ذہین لوگوں کی اسی کے لیے کوشش:

ہمارا دوسرا متنازع فیہ مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس فرز زندگی کی پیروی کر رہے ہیں جو ہماری صحت اور روحانیت کے لیے بہتر نہیں ہے۔ اگرچہ اس طرز زندگی کے کچھ مفید پہلو بھی ہیں مگر مجموعی طور پر نقصانات فوائد پر غالب ہیں۔ یہ طرز زندگی قیام و طعام، رہن سہن، معاشرتی میل جول کے مواقع بشمول شادی وغیرہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ہمیں موجودہ طرز زندگی کے تمام پہلوؤں پر ناقدانہ نظرِ ثانی اور تجزیے کی ضرورت ہے؛ تاکہ ہم ایسے طرزِ زندگی کو متبادل کے طور پر سکیں جو سادہ، صحتمند، مفید اور منطقی ہو۔ یہ کوشش ذاتی زندگی میں تبدیلی تک محدود نہ ہو بلکہ معاشرے میں سادگی کو بطورِ فیشن اور قابلِ فخر انداز میں رواج دینے کے لیے ہو۔۔۔۔!

۳۔ذہنی و افرادی قوت کا خروج

جب ہماری زندگیاں موجودہ اقتصادی نظام کے دائرے مین گھوم رہی ہوتی ہیں تو ہم اشیا کے استعمال اور صنعت میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ ہم اپنی ذات پر پاکستان کی طرف سے عائد ذمہ داریوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ دیہات و قصبات سے شہروں کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔اس طرح مضافات شہروں میں تبدیل ہو رہے ہیں اور ایک طرح کی مصنوعی/ شہری

طرزِ زندگی(Urbanization) کی ترویج کے سبب سادہ، سستے، صحت منداور قدرتی طرزِ زندگی سے محروم ہورہے ہیں۔

ہر شخص ملک سے باہر جانا چاہتا ہے، جس کا نتیجہ مقامی سطح پر قابلیت، ذہانت، خلوص اور محنت کے فقدان کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ یہ خروج بیرونِ ملک اقتصادی نظام کو مضبوط کرنے اور دولت مند اقوام کے ہاتھوں استحصال کا ذریعہ بن رہا ہے؛ جس کے نتیجے میں اندرونِ ملک صحیح قیادت ناپید ہورہی ہے۔ مزید یہ کہ اس بحرانِ عظیم کو مسئلہ ہی تصور نہیں کیا جارہا، بلکہ اسے ڈوبتی ہوئی اقوام کے لیے (نام نہاد) زرِمبادلہ کے مہیا ہونے کا ذریعہ سمجھا جارہا ہے۔

محکوم نہیں آزاد ہیں ہم! کب کس کی خوشامد کرتے ہیں — مجبوری اور لاچاری کے الزام کو ہم رد کرتے ہیں
آزاد تجارت میں لیکن ہم ایک توازن رکھتے ہیں — ''ٹیلنٹ برامد کرتے ہیں اور ایڈ درامد کرتے ہیں''

(پروفیسر عنایت علی خان)

اگرچہ بیرونِ ملک ہمارے لوگ پورے خلوص اور لگن کے ساتھ اپنی تمام تر توانائیاں صرف رہے ہوں مگر نظام کے عیب دار ہونے کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو بلکہ ملکِ پاکستان اور ملتِ اسلامیہ کی طاقت، وقار اور اقتدار کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

ہمیں اس موضوع پر مثبت انداز میں بات کرنے کی ضرورت ہے۔ لوگوں کو ملک سے باہر جانے سے مت روکیں مگر اس خروج کی وجوہات تبدیل کردیں۔ جیسا کہ ''باہر سے علوم وفنون سیکھ کر ملک منتقل''۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ لوگ موجودہ اقتصادی نظام اور طرزِ زندگی کی ظاہری نمود ونمائش سے مسحور نہ ہوں۔ یقیناً اس کے لیے ہمیں اپنے ملک میں معقول روزگار، بہترین تعلیم اور صحت کے منصوبہ جات شروع کرنے کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔!

۴۔اعتماد کا فقدان:

بے اعتمادی کی فضا ایسی ہے کہ ہر سطح اور طبقہ (قیادت، ذرائع ابلاغ، تعلیم، صحت، عدلیہ اور مذہب پر اعتماد کا فقدان کسی مفید کام اور تحریک کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہے؛ اس موضوع پر منطقی اور تجزیاتی انداز میں بات کرنے کیے بغیر کوئی منصوبہ خاطر خواہ نتائج نہیں دے سکتا۔ عملی منصوبہ جات کا بے صبری سے انتظار کرنے والوں کو اس پہلو کو بڑی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں دیانتدار اور قابل لوگوں کو اس طرح مربوط کرنے کی ضرورت ہے کہ بدعنوانی اور بددیانتی کے اس سیلاب میں دیانتدار اور قابل لوگوں کے لیے ایک جزیرہ مہیا کیا جاسکے۔ یہ نسبتاً ایک طویل سفر کا متقاضی ہے اور ذہنی بالیدگی وبصیرت رکھنے والے لوگ ہی ایسے سفر میں ہم رُکاب ہوسکتے ہیں۔

۵۔عزتِ نفس:

قومی سطح پر عزتِ نفس کا کھو جانا ایسا مسئلہ ہے جو تخلیقی صلاحیتوں کا حقیقی دشمن ہے۔ اگرچہ اس کا سدباب تمام مسائل کا حل ہے مگر بڑا چیلنج اس متنازع فیہ مسئلے کے احساس کی کمی ہے۔ اور جب ہر شخص فریب سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہتا ہو تو ہم استحصال کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں؟؟؟ ہمارے حکمران و بادشاہ اپنے اقتدار کی طوالت کی، نوجوان ہجرت/ویزے کی، ملازمت اور اسناد کی بھیک مانگتے ہیں اور ہمارے غربا بیرونی امداد، عطیات اور خیرات کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ یاد رکھیے! عزتِ نفس کے بغیر ہم ایک بال برابر بھی آگے نہیں بڑھ سکتے مگر:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (اقبال)

آیئے! بڑے منصوبہجات سے قبل اس معاملے پر حساسیت کا مظاہرہ کیجیے۔۔۔۔۔

مندرجہ بالا ۵ معاملات کے لیے ہمیں بنیادی سطح پر ایسی تحریک کی ضرورت ہے جو بیک وقت ہمارے مسائل کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہو۔ یہ بظاہر پیچیدہ نظر آنے والی ترتیب فردِ واحد کی اندرونی اور بیرونی کوشش سے شروع ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمیں تبدیلی کے اصول اور فلسفے کو سمجھنا ضروری ہے۔

تبدیلی کا فلسفہ کیا ہے؟

تبدیلی کا فلسفہ اور اصول مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تبدیلی کا آغاز ''میری ذات'' ہی سے ہے۔ کیونکہ ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ (عادات، سوچ وغیرہ) ہے۔

۲۔ تبدیلی کو پھیلانے اور ترویج دینے کا فن سیکھیے! کہ اپنا حلقہ اثر کیسے بڑھانا ہے؟

۳۔ معاشرے میں نئے رجحانات پیدا کیجیے!

ہمارا ۵ فیصد کا نظریہ نئے رجحانات تخلیق کرنے میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔

کسی بھی معاشرے میں دو طرح کے گروہ پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک گروہ معاشرے کا قریباً ۵ فیصد ہوتا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی گروہ رجحانات تخلیق کر سکتا ہے۔

پہلا گروہ وہ ہوتا ہے جن کے پاس صلاحیتوں والے دل و دماغ ہوتے ہیں، یعنی یہ لوگ دوسروں کے معاملے میں حساس ہوتے ہیں اور ان کے دل پُر خلوص ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دوسروں کے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ ہم حوالہ کے طور پر انہیں ''**اَصْحَاب الْیَمِیْن**'' کہہ لیتے ہیں۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو خود غرض، بدعنوان اور کمینے ہوتے ہیں۔ یہ بے حس لوگ صرف اپنی دلچسپی کا خیال کرتے ہیں۔ ہم حوالہ کے طور پر انہیں ''**اَصْحَاب الْشِمَال**'' کہہ لیتے ہیں۔

بقیہ ۹۰ فیصد آبادی صرف پیروکار ہوتی ہے اور اس گروہ کی تقلید کرتی ہے جو منظم ہو اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مخلص ہو۔

بدقسمتی سے پاکستان میں ''**اَصْحَاب الْشِمَال**'' کا گروہ برے مقاصد کے لیے مخلص چلا آ رہا ہے۔ اسی لیے وہ بدعنوانی اور خود غرضی کے رجحانات پیدا کرنے میں کامیاب ہے۔ جبکہ ''**اَصْحَاب الْیَمِیْن**'' کے افراد تنہا تنہا اور ایک حد تک منفی ہو چکے ہیں۔ انہیں اپنے مشاغل سے فرصت نہیں ملتی۔۔۔۔۔۔ انہوں نے خود کو منظم نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔!

پی۔ٹی۔سی کی ترتیب

۱۔ مثبت سوچنے والوں کی تلاش کرنا

۲۔ انہیں اچھی کتب کے مطالعہ کی عادت منتقل کرنا، جو ان میں مثبت انداز کو فروغ دے سکے تاکہ وہ متبادل ذرائع سے معلومات حاصل کر سکیں اور اسی مثبت و متبادل طریقے اپنے مسائل حل کر سکیں۔۔۔۔

۳۔ انہیں اپنی سوچ کا اور وقت کا اہتمام سکھانا

۴۔ انہیں غیر ضروری اقتصادی سرگرمیوں اور مہلک طرزِ زندگی سے نکالنا

۵۔ انہیں خود غرضی کے خول سے باہر نکلنے کی تلقین اور ترغیب دینا اور ان کی توانائیوں کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرنا

۶۔ انہیں تربتِ اولاد، ایجادات و ٹیکنالوجی جیسی تخلیقی سرگرمیوں سے روشناس کرانا

یہ ترتیب دو طریقوں پر مشتمل ہے:

عمودی کام: ہر رکن دوسرے ارکان کے ساتھ اس طرح منسلک ہو کہ ایک رکن (Uplink) کے ساتھ ۳ نئے احباب (Downlinks) منسلک ہونے چاہییں۔

افقی کام: مقامی سطح پر تمام اراکین ایک دوسرے سے ملتے رہیں اور اس فورم پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہیں۔

پی۔ٹی۔سی کے مراحل

تبدیلی بتدریج اور مرحلہ وار ہی وقوع پذیر ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں پُر اعتماد فضا کا قیام اور عزتِ نفس کی بحالی شامل ہوں گی!

مرحلہ.....۱: سوچ اور رویے کی تبدیلی کے ساتھ ایک مخصوص تعداد تک نیٹ ورکنگ کرنا

ایک پی۔ٹی۔سی رکن کے ساتھ کم از کم ۳ ڈاؤن لنک ہوں اور وہ روزانہ کی بنیاد پر ۴ کام کر رہا/رہی ہو۔ یہ ۴ کام سوچ اور رویے میں تبدیلی کے لیے تدبیر کیے گئے ہیں۔اس مرحلے میں ایک ہزار اراکین کی وہ تعداد ہے جس کے بعد ہم دوسرے درجے میں داخل ہو سکتے ہیں۔اس مرحلے میں باصلاحیت لوگوں کی وہ ٹیم وجود میں آئے گی جو اپنی آسائشوں سے نکل کر اپنے عمل سے نئے رجحانات تخلیق کریں گے۔تبدیلی کی رفتار اس مرحلے پر منحصر ہے۔ہزار اراکین کی شرط کو پورا کیے بغیر دوسرے مرحلے میں قدم رکھنا مطلوبہ نتائج سے دور کر دے گا۔

مرحلہ.....۲: بنیادی ضروریات کے منصوبے

اس مرحلے میں بنیادی ضروریات کا تعین، پیداوار اور ترسیل شامل ہیں۔ہم بنیادی ضروریات کا تعین کیسے کر سکتے ہیں؟؟؟

''اگر ہم کسی چیز کو مقامی سطح پر تیار کر سکتے ہیں تو وہ ہماری بنیادی ضرورت ہو سکتی ہے؛ مگر اس کی درجہ بدرجہ مصفّٰی/چھنی ہوئی صورتیں بنیادی ضروریات نہیں ہیں''۔ پینے کا صاف پانی ہماری بنیادی ضرورت ہے لیکن سوڈا واٹر، پیکٹ والے جوس ہماری بنیادی ضرورت نہیں۔۔۔۔ہمیں ان بنیادی ضروریات کا مقدار کے لحاظ سے بھی تعین کرنا ہے۔مثلاً جانوروں سے حاصل شدہ خوراک (گوشت، دودھ) اس حد تک ہماری بنیادی ضرورت ہے کہ ہماری صحت کے لیے مفید ہو!

اس مرحلے میں آغاز پر چھوٹے چھوٹے سٹور جن پر بنیادی ضروریات اراکین کو مناسب نرخ پر اور دوسروں کو بازار کے نرخ پر مہیا کی جائیں گی۔پی۔ٹی۔سی سٹور مقامی سطح پر ایک صد (۱۰۰) اراکین اور مجموعی طور پر ایک ہزار (۱۰۰۰) اراکین ہونے پر کھولے جا سکتے ہیں۔

اس مرحلے پر ہمیں درج ذیل مواقع حاصل ہوں گے:

ا۔ لوگوں کو صحت مند اور سستی مگر معیاری اشیا کی فراہمی

ب۔ مقامی سطح پر صاف شفاف کروبار سے اعتماد کی بحالی

ج۔ مزید لوگوں کی پی۔ٹی۔سی کی طرف رغبت کیونکہ اب ان کے سامنے ٹھوس نتائج اور عوامل ہوں گے

د۔ سوچوں کو عملی جامہ پہنانے کا مرحلہ وار موقع

مقامی سطح پر پانچ صد (۵۰۰) افراد اور مجموعی طور پر ایک ہزار اراکین ہوتے ہی ہم اگلے مرحلے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ایسے میں پیشرو اراکین نئے آنے والوں کی تربیت کر رہے ہوں گے۔

مرحلہ.....۳: تعلیمی اداروں کا قیام

'پانچ صد' اراکین کے بعد ہم ثانوی سطح کا سکول قائم کرنا چاہیں گے جو کہ علوم وفنون، سائنس وٹیکنالوجی کی معیاری درس گاہ ہوگا (انشاءاللہ)۔ پی۔ٹی۔سی کے اراکین نصاب کی تیاری پر قبل از وقت ہی توجہ دے رہے ہیں، جس کا مقصد سائنس اور ریاضی کو جدید تحقیق کی روشنی میں معقول اور دلچسپ انداز کے ساتھ طلبہ کو روشناس اور ماہر کرنا ہوگا۔اراکین کے بچے معمولی جبکہ غیر اراکین کو بین الاقوامی معیار کے مطابق فیس ادا کرنا ہوگی۔اُس وقت ہمیں لوگوں کو پی۔ٹی۔سی کی طرف راغب کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔والدین اور طلبہ اس کشش پر شمولیت اختیار کریں گے کہ بہترین تعلیم وتربیت معمولی فیس میں مہیا کی جا رہی ہے۔

سکول کی عمارت فارغ اوقات میں غیر نصابی سرگرمیوں اور نشستوں (Meetings) کے لیے استعمال ہو سکے گی۔اس طرح خالص خوراک اور بہترین تعلیم کا حصول ان کے لیے معاشی پریشانی کا سبب نہیں ہوگا۔

مرحلہ.....۴: بحالی صحت کے مراکز

قابل ڈاکٹر اور طبی عملہ (تمام پی۔ٹی۔سی اراکین) جدید ٹیکنالوجی سے لیس ان مراکز میں موجود ہوں گے۔اس شعبے کے لوگ

مہلک امراض میں لوگوں کے درست علاج کر سکیں گے۔ امراض کے سدباب کے طور پر عمومی صحت و عادات، ورزش، خوراک و غذائیت کے بارے میں بھی رہنمائی کر سکیں گے۔

یہ مرکز ہر فرد کا طبی معائنہ معمولی خرچ پر کرتا رہے گا، قطع نظر اس کے کہ وہ بیمار ہے یا کہ نہیں اور اس میں بیماری کی علامت ہیں یا نہیں۔ مزید یہ کہ ۴۰/۵۰ سال کی عمر میں کیا بیماری پیش

آسکتی ہے اور ابھی سے اس کی حفاظتی تدابیر کیا ہیں! یہی خدمات دوسروں کو مکمل معاوضہ ادا کرنے پر مہیا کی جائیں گی۔ ہمیں یقین ہے کہ بحالی صحت کا منصوبہ افراد کی بجائے خاندانوں کو پی۔ٹی۔سی کی طرف راغب کرے گا۔ اس مرحلے میں ہمارے پاس معیاری و باکفایت سٹور، بہترین سکول اور بحالی صحت کے مراکز ہوں گے (انشاءاللہ)۔

مرحلہ......۵: شمسی یونیورسٹی

پانچ ہزار اراکین ہونے پر ہم شمسی/ متبادل توانائی کے شعبے میں تدریس و تحقیق، توانائی کے منصوبہ جات اور اس سے منسلک کاروبار کا آغاز کر سکیں گے۔ اراکین کو اس مرکز علوم وفنون میں بین الاقوامی معیار کے مطابق تعلیم دی جائے گی تا کہ وہ جدید ٹیکنالوجی اور ایجادات کی دنیا میں امتیازی نام پیدا کر سکیں۔ پی۔ٹی۔سی سے منسلک طبقہ دیانتداری، مہارت اور لگن جیسی صفات سے آراستہ ہوگا۔ اس طرح بیرونِ ملک قیام پذیر لوگ اِن مفید اور منفرد منصوبہ جات میں اپنی رقوم لگانا پسند کریں گے۔ سعودیہ، امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا اور دیگر ممالک میں ہمارے ہم وطن یہ حقیقت جان جائیں گے کہ یہ لوگ قابلِ اعتماد ہیں اور ان کی رقوم و اثاثے محفوظ ہیں۔ اس طرح انہیں طے شدہ وقت پر معقول منافع بھی ملے گا۔

مرحلہ......۶: بڑے منصوبہ جات

ذرائع نقل و حمل اور تعمیرات ان منصوبہ جات میں آتے ہیں۔ یہ کام دراصل پی۔ٹی۔سی کے تصورات (ضرورت نہ کہ خواہش اور ماحول دوست نہ کہ مضر) کی بنیاد پر چلیں گے۔ ہمارا تعمیراتی شعبہ انہی صلاحیتوں کی وجہ سے پہچانا جائے گا۔ اس شعبے کی خدمات اراکین کے لیے واجبی معاوضہ پر جبکہ غیر اراکین کے لیے رائج نرخ کے مطابق ہوں گی۔ دوسری طرف ذرائع نقل و حمل کے حوالے سے ہمارے احباب قبل از وقت ہی تحقیق و تجربات میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ منصوبہ جات دیانتداری اور قابلیت پروان چڑھانے کے اسباب مہیا کریں گے۔ اگرچہ یہ اوصاف اِس وقت لوگوں میں انفرادی طور پر پائے بھی جاتے ہیں مگر ہم ان خوبیوں کو ایک تنظیم میں یک جا کر دیں گے (انشاءاللہ)۔

مرحلہ......۷: رہائشی منصوبہ (Physical Community)

فطری آبادی/ رہائشی منصوبہ ہمارا آخری مرحلہ سب سے آسان ہوگا کیونکہ اس کے تمام لوازمات پی۔ٹی۔سی کے پاس پہلے ہی موجود ہوں گے۔ یہ منصوبہ متبادل اقتصادی نظام اور طرزِ زندگی کی راہ ہموار کردے گا (انشاءاللہ)۔

پی۔ٹی۔سی کا جذبہ

۱۔ اگر میں اپنی عادات تبدیل نہیں کر سکتا تو میں ملک میں تبدیلی کس طرح لا سکتا ہوں؟؟؟ اور اگر میں تبدیلی کی کوشش ترک کرتا ہوں تو پھر کوشش کون کرے گا؟؟؟

۲۔ میں نے پاکستان کے لیے کیا کیا ہے؟ اور میں کیا کر سکتا ہوں؟؟؟

۳۔ میں پی۔ٹی۔سی کو اگلے مرحلے میں لے جانے کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟؟؟ اس سلسلے میں میرا کیا حصہ ہے؟؟؟

۴۔ میں اپنی کتنی توانائی اپنی ذاتی و خاندانی زندگی اور کتنی ملک (میں پی۔ٹی۔سی کے انداز) پر صرف کر رہا ہوں؟؟؟

تحریر محترمہ کوثر اظہار ظہیر ڈاکٹر نصر شاہد صاحب ترجمہ حافظ احمد